قائدِ ملّتِ اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی کے تایا ابا— خطیب العلما علامہ نذیر احمد خجندی (رحمۃ اللہ علیہا) کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتاب مسمّٰی بہ اسمِ تاریخی:

"جب جب تذکرۂ خُجندی ہُوا" (2014ء)

حسبِ ارشاد و باہتمام:

اُستاذ العلما حضرت علّامہ مولانا **جمیل احمد نعیمی ضیائی** مدّظلّہ العالی

﴿استاذ الحدیث و ناظم تعلیمات جامعہ نعیمیہ، کراچی﴾

تحریر: ندیم احمد ندؔیم نورانی

ناشر: مکتبۂ نعیمیہ، دار العلوم نعیمیہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔

جملہ حقوق بہ حقِّ مصنّف محفوظ ہیں۔

نام کتاب: جب جب تذکرۂ خجندی ہُوا (2014ء)

حسبِ ارشاد: حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی مدّظلّہ العالی

تصنیف: ندیم احمد ندؔیم نورانی (0347-2096956)

کمپوزنگ: ایضاً۔

پروف ریڈنگ: ایضاً۔

صفحات: 240

ناشر و تقسیم کار: مکتبۂ نعیمیہ، دار العلوم نعیمیہ، فیڈرل بی ایریا، بلاک 15، کراچی۔

مطبع: الناصر ریسرچ اکیڈمی، کراچی (0300-2080345)

تعداد: پانچ سو (500)

اشاعتِ اوّل: اتوار، ۵/ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ / ۲۸/دسمبر ۲۰۱۴ء۔

﴿نوٹ: ۲۸/دسمبر (۱۸۸۸ء) علامہ نذیر احمد خجندی کی تاریخِ ولادت ہے۔﴾

قیمت: دو سو پچاس (250) روپے

ملنے کے پتے:

دار العلوم نعیمیہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی — فون: 021-36324236

مکتبۂ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی — فون: 021-34926110

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی — فون: 021-32212011

مکتبۂ رضویہ، آرام باغ، کراچی — فون: 021-32216464

فہرست

نمبر شمار	مشمولات	صفحہ نمبر
۱	تصاویر: خطیب العلماعلامہ مولانانذیر احمد خجندؔی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ	4 تا 5
۲	تقدیم: جمیلِ ملّت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی مدّ ظلّہ العالی	6 تا 7
۳	تقریظ: مولانا ابوالسرور محمد مسرور احمد (جانشینِ مسعودِ ملّت)	8 تا 9
۴	عرضِ مصنّف (کلماتِ تشکر): ندیم احمد ندیؔم نورانی	10 تا 12
۵	"جب جب تذکرۂ خجندؔی ہُوَا" مع کتابیات: ندیم احمد ندیؔم نورانی	13 تا 240

اٹھارہ اَبوَابِ کتاب:

باب	صفحہ	باب	صفحہ
نام، ولادت، خاندانی پس منظر (مولانا خجندؔی کے سالِ ولادت کی تحقیق)	13 تا 23 (15 تا 16)	قائدِ اعظم سے تعلّقاتِ خجندؔی (قائد اعظم کا نکاح کس نے پڑھایا؟ تحقیق)	93 تا 111 (98 تا 108)
مولانا خجندؔی کی تعلیم اور.....	24 تا 31	مولانا خجندؔی بہ حیثیتِ مُناظِر	112
بیعت و خلافت، سیرت.....	32 تا 34	مولانا خجندؔی کی ادبی و قلمی خدمات	113 تا 134
.....چند نا قابلِ فراموش خدمات	35 تا 41	مولانا خجندؔی ایک قادر الکلام شاعر	135 تا 178
تعلیمی و تدریسی خدمات /.....	42	مولانا خجندؔی کا سالِ وصال (تحقیق)	179 تا 193
مولانا خجندؔی کی صحافتی خدمات	43 تا 56	قطبِ مدینہ..... مولانا خجندؔی کی قبر پر	194 تا 195
..... قومی، ملی اور سیاسی خدمات	57 تا 80	مولانا خجندؔی کے بہن بھائی	196 تا 219
امام احمد رضا خاں اور مولانا خجندؔی	81 تا 91	مولانا خجندؔی کی اولاد	220 تا 230
نبیرۂ محدّث سورتی سے مراسم	92	مولانا خجندؔی کی ایک بھتیجی / شاگرد	231 تا 233

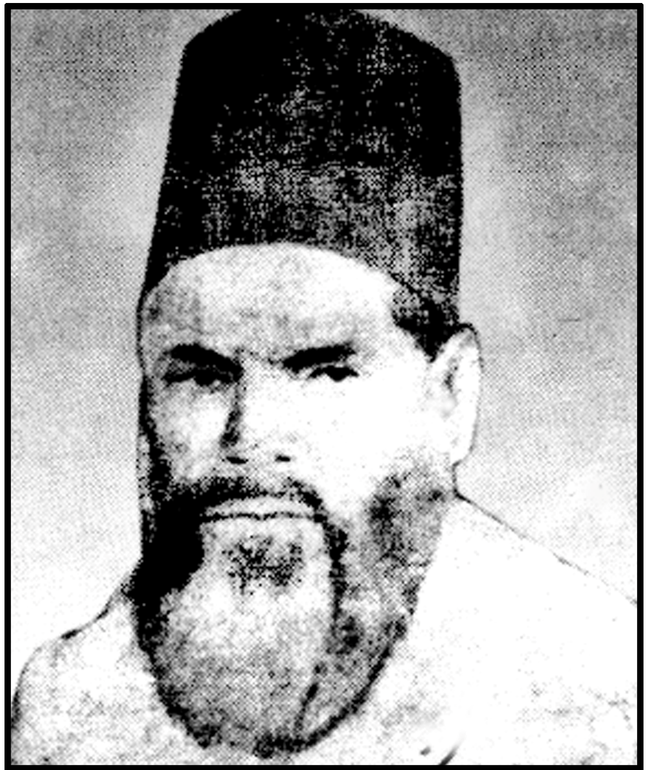

مولانا نذیر احمد خجندی

جناب امداد صابری صاحب کی تالیف "تذکرہ شعراء حجاز" سے لی گئی ایک تصویر

مولانا نذیر احمد خجندیؔ آزاد پارک بمبئی میں عید الاضحیٰ ۱۳۵۵ھ کا خطبہ دے رہے ہیں۔
(ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ سے لی گئی ایک تصویر)

اِس تصویر میں مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ گزشتہ صفحے پر موجود تصویر سے بہ ظاہر مختلف دکھائی دے رہے ہیں۔ اگر یہ درست ہے، تو ماہ نامہ "شاہ راہ" ہی کی اِس تصویر کو درست مانا جائے گا، کیوں کہ یہ رسالہ "تذکرۂ شعراءِ حجاز" کے مقابلے میں قدیم ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ رسالہ خود حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ کی زیرِ سرپرستی شائع ہوتا تھا۔ (ندیم)

DARUL ULOOM NAEEMIA
Block-15, Federal-B, Area, Karachi.
Tel:36324236 -36314508

دارُالعُلوم نعیمیہ
بلاک نمبر 15 فیڈرل بی ایریا۔کراچی

مورخہ: ________ حوالہ نمبر: ________

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔

سخنِ جمیل

احقر (جمیل احمد نعیمی ضیائی) کو طالبِ علمی کے زمانے ہی سے یہ شوق رہا ہے کہ قرآنِ عظیم، حدیثِ رسولِ کریم ﷺ اور کتبِ فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔ بعدہٗ اَسلاف و اکابر کے حالاتِ زندگی اور دینی خدمات کے مطالعے کا بھی شوق رہا ہے۔ اسی جذبے کے تحت مندرجۂ ذیل کتب شائع کرانے کی سعادت حاصل کی:

(۱) صدر الافاضل بحیثیتِ مفسّر، (۲) صدرالافاضل کی دینی اور سیاسی بصیرت، (۳) تاج العلما (مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ) کے حالاتِ زندگی، (۴) خلیفۂ اعلیٰ حضرت ــ مبلغِ اسلام شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی (قائدِ ملّتِ اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ کے تایا ابا)، (۵) مجاہدِ ملّت (مولانا عبد الستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ) بحضور اعلیٰ حضرت (شاہ احمد رضا خاں محدّثِ بریلی شریف علیہ الرحمۃ)۔

اور اب، پیشِ نظر کتاب مسمّٰی بہ اسمِ تاریخی:

"جب جب تذکرۂ خجندؔی ہوا" (۲۰۱۴ء)

کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہا ہوں، جو قائدِ ملّتِ اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی علیہ الرحمۃ کے تایا ابا، اپنے وقت کے بے باک صحافی و شاعر اور خطیبِ شیریں بیاں، علامہ مولانا نذیر احمد خجندؔی صدّیقی علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل

DARUL ULOOM NAEEMIA
Block-15, Federal-B, Area, Karachi.
Tel:36324236 -36314508

دارُالعُلوم نعیمیہ
بلاک نمبر 15 فیڈرل بی ایریا۔کراچی

مورخہ: ________ حوالہ نمبر: ________

ہے۔ احقر، از اوّل تا آخر تو اس کتاب کا مطالعہ نہ کر سکا؛ البتہ، جستہ جستہ مقامات کو ضرور ملاحظہ کیا ہے۔ نوجوان مصنف و محقق اور مفکر مولانا ندیم احمد ندؔیم نورانی نے اپنی اِس کتاب میں کافی عرق ریزی اور دماغ سوزی سے کام لیا ہے، جس کا صحیح اندازہ صرف انھی لوگوں کو ہوگا جو تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہیں کہ ایک کتاب تحریر کرنے کے لیے کتنی محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے! ندؔیم نورانی صاحب نے اِس کتاب میں حضرت علامہ نذیر احمد خجندؔی علیہ الرحمۃ (مدفون جنّت البقیع) کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی حتّی الامکان کوشش کی ہے۔ بالعموم عوام الناس اور بالخصوص نوجوان علماءِ کرام اور آگے کام کرنے والوں کے لیے، یہ کتاب بِلاشبہ ایک مشعلِ راہ ہے۔

مولائے کریم اپنے حبیبِ رؤف ورحیم ﷺ کے صدقے موصوف کو اور ان کے اہلِ خانہ کو صحت و عافیت اور سلامتیِ ایمان کے ساتھ قائم و دائم رکھے۔ امّید ہے کہ آئندہ بھی مولانا اپنے اکابر اور اسلاف کے حالاتِ زندگی اور اُن کی دینی خدمات پر کام کرتے رہیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے نوجوان علما کو اپنے اسلاف کی تاریخ سے آگہی کے ساتھ ساتھ، اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہِ حبیبہ الامین ﷺ۔

رہتا ہے نام زندہ کتابوں سے اے امیر
اولاد سے تو بس یہی دو پشت چار پشت

﴿احقر جمیل احمد نعیمی ضیائی غُفِرَلَہٗ﴾
استاذ الحدیث وناظم تعلیمات
دار العلوم نعیمیہ، بلاک 15، فیڈرل بی ایریا، کراچی
موبائل: 0300-3532440

۲۸/ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
بمطابق ۲۲/ نومبر ۲۰۱۴ء
ہفتہ

تقریظ: صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد زِیْدَ مَجْدُہٗ

(جانشینِ حضرت مسعودِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

"نئی تحقیقات"

احقر نے سالانہ امام ربانی کانفرنس ۲۰۱۴ء کراچی کی تیاریوں کے دوران برادرم مولانا ندیم احمد ندیم نورانی زیدمجدہٗ کی کتاب "عجب عجب تذکرۂ خجندی ہوا" کا کہیں کہیں سے مطالعہ کیا تو اسے تذکرۂ اسلاف کی کتب میں ایک اہم اضافہ کے ساتھ ساتھ نئی تحقیقات پر مبنی پایا، موصوف نے جس محنت و جانفشانی سے خطیب العلماء مولانا نذیر احمد خجندی صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے حوالے سے معلومات جمع کی ہیں اس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ برادرم مولانا ندیم احمد ندیم نورانی کو دین و دنیا میں سرفراز فرمائے۔ آمین

احقر کے عنوان "نئی تحقیقات" پر قارئین ضرور غور فرمائیں گے کہ فاضل مصنف نے کیا نئی تحقیقات پیش کی ہیں؟ احقر اپنی مصروفیات کے سبب پوری کتاب کا مطالعہ تو نہ کرسکا مگر چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ موصوف نے حضرت خطیب العلماء کی معروف تاریخ ولادت ۱۸۸۲ء کو تاریخی دلائل سے رد کرتے ہوئے صحیح تاریخ ولادت ۲۸ دسمبر ۱۸۸۱ء ثابت کی ہے یونہی ان کے سنہ وصال ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء کو بھی غلط ثابت کرتے ہوئے صحیح تاریخ وصال ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء کو تاریخی حوالہ جات سے درست ثابت کیا ہے۔

برادرم مولانا ندیم احمد ندیم نورانی نے بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کا اُن سے عقیدت رکھنا، اُن کی امامت میں نماز ادا کرنے کے دلائل کے ساتھ ساتھ تاریخی حوالوں سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان کی اہلیہ رتی پیٹٹ (Ruttie Petit)، جو سر ڈنشا پیٹٹ (Sir Dinshaw Petit) کی بیٹی تھیں، ایک پارسی خاتون تھیں، قائداعظم محمد علی جناح نے اُن سے نکاح کرنے سے ایک دن قبل حضرت خطیب العلماء کے دستِ حق پر داخلِ اسلام کرایا تھا، قبولِ اسلام کے بعد ان کا اسلامی نام "مریم بائی" رکھا گیا لیکن تاریخ میں انہوں نے "رتی جناح" کے نام سے شہرت پائی۔

فاضل مقالہ نگار نے مبلغِ اسلام علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ کے والدِ ماجد مبلغِ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے برادرِ اکبر حضرت خطیب العلماء کے مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے دیرینہ تعلق کی بنا پر اُن کا خلیفہ اعلیٰ حضرت ہونا بھی گمان کیا ہے۔ یہ تمام شواہد بتاتے ہیں کہ پیشِ نظر کتاب یقیناً نئی تحقیقات پر مبنی ہے جس کی اشاعت سے تاریخ کے مزید باب روشن ہوں گے۔

۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
۱۱ دسمبر ۲۰۱۴ء
جمعرات

احقر محمد مسرور احمد (دستخط)
محمد مسرور احمد غفرلہٗ
ابن پیر و مرشد ڈاکٹر محمد مسعود احمد نوراللہ مرقدہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

نَحۡمَدُ اللّٰہَ الۡعَظِیۡمِ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ○

عرضِ مصنّف (کلماتِ تشکر)

خالقِ کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم اور شکر ہے کہ اُس نے اپنے اِس گنہ گار وسیہ کار بندے (ندیم نورانی) کے دل میں اپنے عبادِ صالحین کی محبت پیدا فرمائی؛ اپنے محبوبین کے دامن سے وابستہ فرمایا؛ اپنے حبیبِ لبیب رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّتی بنایا؛ بہ صورتِ بیعت، قائدِ ملّتِ اسلامیہ مبلغِ اسلام حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ ایسی صاحبِ فضل وکمال، اور اپنے وقت کی بے مثال تاریخ ساز شخصیت وروحانی ہستی کی غلامی کے شرف سے نوازا؛ اپنے برگزیدہ بندوں پر لکھنے کا نہ صرف ذوق وشوق عطا فرمایا، بلکہ میرے قلم کو راہِ عشقِ عاشقینِ مصفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسافر بھی بنایا اور استاذ العلما، جمیلِ ملّت حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی دامت برکاتہم العالیۃ ایسے بلند حسنِ اخلاق کے پیکر، خرد نواز اور حوصلہ افزا شخصیت کی شفقتیں بخش کر اسے منزلِ عشق سے قریب کیا۔

اسی راہِ عشق پر چلتے ہوئے، میرے قلم نے، نظم ونثر ہر دو صورت میں، اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی سے عقیدتِ باحقیقت کے چراغ بھی جلائے اور اُن کے خلفائے اجل حضرت امام الدین شاہ احمد مختار صدّیقی اور اُن کے برادرِ اصغر مبلغِ اعظم حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی والدِ ماجد حضرت مولانا شاہ احمد نورانی (رحمۃ اللہ علیہم) سے میرا رشتہ غلامی نبھانے کی سعی کرتے ہوئے محبت کے پھول بھی کھلائے۔

اِسی سفرِ عشق پر گامزن قلم سے، یہ فقیر اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کے تایا ابا خطیب العلما حضرت علامہ مولانا قاری حکیم شیخ نور الحق نذیر احمد خجندؔی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ قلم بند کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور تھوڑا سا مواد بھی جمع کر لیا تھا، لیکن اسے عملی تشکیل دینے میں سستی وکاہلی برت رہا تھا؛ مگر جب اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے، تو کوئی

نہ کوئی سبب بھی پیدا فرما دیتا ہے؛ لہٰذا، حضرت جمیلِ ملّت مولانا جمیل احمد نعیمی مدّ ظلہ العالی نے اِس فقیر کو حضرتِ خجندؔی پر قلم اُٹھانے کا حکم فرمایا تو میں متحرک ہو گیا اور پھر میں نے حضرت عالم شاہ بخاری بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار (جامع کلاتھ مارکیٹ، کراچی) پر حاضر ہو کر صاحبِ مزار اور اپنے پیر ومرشد کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے اس کتاب کی تکمیل کے لیے دعا کر کے تلاش وجستجو شروع کی اور مختلف کتب خانوں (Libraries) وغیرہ کی خاک چھانی، تو اگرچہ ابھی بہت سے تحریری مواد تک ہماری رسائی نہ ہو سکی؛ لیکن، توقع سے کہیں زیادہ مواد حاصل ہو گیا، اور متوقّع ۳۲ر صفحات کے رسالے کی بجائے، الحمد للہ، ۲۴۰ر صفحات کی کتاب تیار ہو گئی، جو

"جب جب تذکرۂ خُجندؔی ہُوا (۲۰۱۴ء)"

کے تاریخی نام سے پیشِ نظرِ قارئین ہے۔

خالق کے شکر کے بعد ہم پر اُس کی مخلوق کا شکریّہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس نے لوگوں کا شکریّہ ادا نہیں کیا، اُس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ لہٰذا، اِس حدیثِ پاک پر عمل کرتے ہوئے، یہ فقیر (ندیم) حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی مدّ ظلہ العالی کا نہایت ممنون ومتشکر ہے کہ آپ نے اس کتاب کے لیے مجھے متحرک کر کے اور اِس کی اشاعت کا اہتمام فرما کر، جہاں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے حسبِ عادت محبت کا ثبوت دیا ہے؛ وہیں ہمیشہ کی طرح، حضرت قائدِ ملّتِ اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی دیرینہ رفاقت کا حق بھی ادا کیا ہے۔ مزید یہ کہ اس پر تقدیم بھی رقم فرمائی۔ یہ فقیر حضرت مسعودِ ملت علامہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند وجانشین صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور صاحب زِیۡدَ مَجۡدُہٗ وَ لُطۡفُہٗ کا بھی شکر گزار ہے کہ انھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود، وقت نکال کر، اپنی گراں قدر تقریظ عنایت فرمائی۔ جناب عقیل عبّاس جعفری صاحب (مصنّفِ "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی") نے ہم پر اعتماد کرتے ہوئے، پہلی ہی ملاقات میں، ہمیں ایک دن کے لیے ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی کے

پانچ شماروں کی فائل عاریتاً عنایت کی تاکہ ہم اس کی فوٹو کاپی کرواسکیں۔ ہم اِس اعتماد اور تعاون کے لیے جناب عقیل صاحب کے شکر گزار ہیں۔اس ماہ نامے کے وہ پانچ شمارے، ہماری اِس تصنیف کے لیے سب سے اہم اور مستند ماخذ ہیں۔ ہم جناب مفتی محمد اکرام المحسن فیضی زِیْدَ عِلْمُہٗ (نبیرۂ بیہقیِ وقت حضرت علامہ محمد منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ) کے بھی متشکر ہیں کہ جنھوں نے مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے،ہمیں ہفتہ وار و پندرہ روزہ اخبار"الفقیہ"، امرتسر (انڈیا) کی طرف متوجّہ کیا۔ اسی طرح ہم انجمن ضیاءِ طیبہ، کراچی،بالخصوص اس انجمن کے روحِ رواں جناب سیّد محمد مبشر اختر القادری صاحب کے بھی ممنون و شکر گزار ہیں کہ انھوں نے"الفقیہ" امرتسر کے مختلف فائلز ہمیں مُستعار دیے؛ جن کی باریک بینی سے ورق گردانی کرتے ہوئے ہمیں چند چیزیں خود مولانا خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی،اور کچھ اُن سے متعلّق حاصل ہوئیں۔ "الفقیہ" ہماری اِس کتاب کا دوسرا اہم ترین ماخذ ہے۔اپنے مخلص دوست مرزا فرقان احمد کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو کمپوزنگ کے مشکل مراحل میں میری مدد اور رہ نمائی کرتے رہے اور عزیزِ محترم جناب محمد مدثر اکرام کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے تصاویر وغیرہا مختلف اِمیجز(Images) کی ایڈٹنگ اور سیٹنگ کے ذریعے اس کتاب کی تیاری میں اپنا حصّہ لیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے اِن تمام محسنین کو دارین میں بہترین جزا سے نوازے، بالخصوص حضرت جمیلِ ملّت اور جنابِ مسرور کا سایہ، صحت و عافیت و قوت کے ساتھ، ہمارے سروں پر دراز فرمائے اور میری اس سعی کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے مقبولِ خاص و عام بنائے۔آمین بجاہِ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

دعا گو و دعا جو

ندیم احمد ندیؔم نورانی

B-296،ناظم آباد نمبر1، کراچی۔

موبائل: 0347-2096956

۲۵؍صفر المظفّر۱۴۳۶ھ

۱۸؍دسمبر ۲۰۱۴ء

جمعرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔

جب جب تذکرۂ خُجندؔی ہُوا (۲۰۱۴ء)

پہلا باب:

نام، ولادت اور خاندانی پس منظر

نام: نذیر احمد

تاریخی نام: شیخ نور الحق (۱۳۰۵ھ)

لقب: خطیب العلما

تخلص: (۱) نذیؔر (۲) خُجندؔی

والدِ ماجد: مولانا شاہ محمد عبد الحکیم جوشؔ و حکیمؔ صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ۔

آبا و اجداد کی مدینۂ منورہ سے ہجرت / وُرودِ ہندوستان:

”سر زمینِ ہند پر آپ (مولانا نذیر احمد خجندؔی) کے مورثِ اعلیٰ مولانا حمید الدین صاحب مقامِ ”خجند“، علاقۂ ثمر قند (ترکستان) سے بابر کے ہم راہ تشریف لائے اور بہ مقامِ سیکری، ضلع مظفّر نگر اِقامت فرمائی۔ آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا احمد صاحب نے مقامِ لاوڑ، ضلع میرٹھ کو اپنی سکونت کے لیے پسند کیا اور چھوٹے

صاحب زادے مولانا داؤد کی اولاد کا سلسلہ آج تک سیکری میں آباد ہے۔“[1]

حضرت مولانا نذیر احمد خجندی کے چچا زاد بھائی جناب محمد اسلم سیفی اپنے والد جناب مولانا محمد اسماعیل میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے (حیاتِ اسماعیل) میں فرماتے ہیں کہ اُن کے آبا و اجداد میں سے کچھ لوگ مدینۂ منورہ (عرب) سے دوسرے علاقوں میں منتقل ہوتے ہوئے ریاستِ فرغانہ کے شہر خجند پہنچے، جہاں سے آپ کے مورثِ اعلیٰ (اوپر کے جدّ امجد) حضرت مولانا قاضی حمید الدین صدّیقی خجندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جو ظہیر الدّین محمد بابر بادشاہ کی طرف سے بڑے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، ۱۵۲۵ء میں بابر بادشاہ کے ہم راہ جہاد فی سبیل اللہ کے ارادے سے ہندوستان تشریف لائے اور قصبۂ لاوڑ، ضلع میرٹھ میں سکونت اختیار کی، جہاں اس خاندان کی آٹھ پشتیں گزریں۔[2]

سکونت میرٹھ:

۱۲۵۶ھ میں مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے جدِّ امجد حضرت مظہر اللہ صاحب المعروف شیخ پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ نے شہر میرٹھ کو، جو لاوڑ سے صرف آٹھ میل کے فاصلے پر ہے، اپنا مسکن قرار دیا۔[3]

جائے ولادت:

حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت صوبۂ اُتر پردیش کے مردم

---

[1] ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، اداریہ، صفحہ ۱۔ نوٹ: ”سیکری“ ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ ہے۔

[2] ”حیاتِ اسماعیل“، ص ۲۸ تا ۲۹؛ نیز، ”تذکرہ شعراءِ حجاز“، ص ۳۸۴۔

[3] ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، اداریہ، صفحہ ۱۔

خیز شہر میرٹھ (انڈیا) کے محلّۂ مشائخاں، اندر کوٹ میں ہوئی۔

سالِ ولادت کی تحقیق (''۱۸۸۲ء'' درست نہیں):

جناب خواجہ رضی حیدر صاحب (سابق ڈائریکٹر، قائدِ اعظم اکیڈمی، کراچی) اپنی تصنیف ''رتّی جناح'' میں رقم طراز ہیں:

''مولانا نذیر احمد خجندیؔ ۱۸۸۲ء میں بمقام میرٹھ پیدا ہوئے۔''[4]

لیکن یہ سالِ ولادت درست نہیں ہے۔ نہ جانے رضی حیدر صاحب نے یہ سالِ ولادت کہاں سے نقل فرمایا ہے۔ ہم نے فون پر آپ سے حوالہ دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ تقریباً بیس سال پہلے یہ کتاب لکھی تھی، اِس وقت حوالہ یاد نہیں آ رہا۔ ہمیں یقین ہے کہ خواجہ رضی حیدر صاحب نے مندرجۂ بالا سالِ ولادت (۱۸۸۲ء) ضرور کسی نہ کسی کتاب سے نقل کیا ہو گا اور جہاں سے بھی آپ نے نقل فرمایا ہے، وہاں غلط لکھا ہو گا۔

صحیح تاریخِ وِلادت / تاریخی نام:

مولانا نذیر احمد خُجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں اور جناب محمد فصیح الزّماں صدّیقی کی زیرِ اِدارت ''شاہ راہ'' کے نام سے ایک ماہ نامہ بمبئی سے نکلتا تھا، جس کے ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ کے شمارے میں مولانا نذیر احمد خجندیؔ کی اکیاون ویں سالگرہ کے موقع پر ڈیڑھ صفحے پر مشتمل ایک اِداریہ بہ عنوانِ

''سالگرہ کی مبارکباد۔۔ مولانا خجندیؔ کے اکیاون سال''

شائع ہوا، جس میں آپ کی تاریخِ ولادت کے حوالے سے حسبِ ذیل عبارت رقم ہے:

4 ''رتّی جناح''، صفحہ ۴۹۔

''شیخ پیر بخش صاحب کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا محمد عبد الحکیم صاحب جوش و حکیم قُدِّسَ سِرُّہُ الْکَرِیْم کو قدرت نے سات فرزند عطا فرمائے۔ حضرتِ حکیمؔ کے سبع سیّارہ میں سے یہ چھٹا روشن ستارہ ہے، جو ۱۳/ ربیع الثّانی ۱۳۰۵ھ مطابق ۲۸/ دسمبر ۱۸۸۸ء، بدھ کے دن، صبحِ صادق کے وقت، عالمِ ظہور میں جلوہ گر ہوا، جس کا نام رکھا گیا: 'نذیر احمد' اور تاریخی نام 'شیخ نور الحق'۔''[5]

چنانچہ ''شیخ نور الحق'' کے اعداد ''۱۳۰۵'' ہی برآمد ہوتے ہیں اور تاریخی شواہد، نیز تقویم ہجری و عیسوی کے مطابق ۱۳۰۵ سنِ ہجری کو ۱۸۸۸ سنِ عیسوی بالکل درست ہے۔

نوٹ: اِس اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہ ترتیبِ ولادت، مولانا نذیر احمد خجندیؔ کا اپنے بھائیوں میں چھٹا نمبر تھا؛ آپ کے بعد حضرت علّامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کا نمبر آتا ہے، جو سب سے چھوٹے تھے۔

''خُجندی'' کہلانے کی وجہ:

چوں کہ مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ بزرگ ثمرقند (ترکستان) کے علاقہ خجند کے رہنے والے تھے، لہٰذا، مولانا خجندیؔ نے بھی اِسی نسبت کو اپنے لیے پسند کرتے ہوئے اپنا تخلّص ''خجندیؔ'' پسند فرمایا، اگرچہ وہ خود علاقۂ خجند کے رہنے والے نہیں تھے۔

حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ کا حسب و نسب:

ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہا کی تحریر کے مطابق، حضرت مولانا نذیر احمد خجندی

5 ماہ نامہ ''شاہ راہ''، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۱ تا ۲۔

علیہ الرحمۃ حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے اور نجیب الطرفین صدّیقی تھے۔[6]

نجیب الطرفین صدّیقی کا مطلب یہ ہے کہ حسب (ماں کی طرف سے) اور نسب (باپ کی طرف سے) دونوں ہی اعتبار سے صدّیقی تھے۔

صدّیقِ اکبر اور معجزۂ رسول اللہ ﷺ:

حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ حضور نبیّ کریم رؤف ورحیم ﷺ کے یارِ غار اور خلیفۂ اوّل حضرت سیّدنا ابو بکر صدّیق کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت محمد (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وَ اَرْضَاھُمَا) کی اولاد سے تھے۔[7]

حضرت محمد بن ابو بکر صدّیق واقعۂ غارِ ثور کے بعد پیدا ہوئے تھے، جس میں دورانِ خدمتِ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدّیق کے پاؤں مبارک کے انگوٹھے میں سانپ نے ڈس لیا تھا، جس کا اثر خاتم الانبیا ﷺ کے لعابِ دہنِ مبارک کے معجزے سے اُس وقت زائل ہو گیا تھا؛ لیکن پھر وصال سے پہلے اُس زہر کا اثر لوٹ آیا اور آپ کی وفات کا سبب بنا۔[8]

یعنی حضرت صدّیق اکبر کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ اس سانپ کے ڈسنے کا نشان تا حیات حضرت ابو بکر صدّیق کے انگوٹھے میں رہا اور آپ کے بیٹے محمد کے پاؤں میں منتقل ہوتا ہوا، آپ کی اولاد میں آج بھی وہ یادگار نشان باقی ہے۔

چنانچہ مفسّرِ شہیر حکیم الامّت حضرت علامہ مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی

[6] مجلہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، ص۵۵۔

[7] "حیاتِ اسماعیل"، ص۲۸۔

[8] "مشکوٰۃ شریف"، باب مناقب ابی بکر، فصلِ ثالث، ص۵۵۶۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشکوٰۃ شریف کی اِس متذکرۂ بالا حدیثِ مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"بعض صالحین کو فرماتے سنا گیا کہ جو شیخ صدّیقی حضرت محمد بن ابو بکر کی اولاد سے ہیں، انھیں سانپ یا تو کاٹتا نہیں، اگر کاٹے تو اثر نہیں کرتا؛ اس لعاب شریف کا اثر ہے اور ان کی اولاد کے پاؤں کے انگوٹھے میں سیاہ تل ہوتا ہے، حتّٰی کہ اگر ماں باپ دونوں کی طرف سے شیخ صدّیقی ہو تو دونوں پاؤں کے انگوٹھوں میں یہ تل ہو گا۔ میں نے بہت صدّیقی حضرات کے پاؤں کے انگوٹھے میں یہ تل دیکھے ہیں۔"[9]

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرۂ بالا تحریر کے متعلق حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم قادری رضوی مدّظلہ العالی (مہتمم و شیخ الحدیث، جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر، سندھ) فرماتے ہیں:

"یہ فقیر کچھ عرصے قبل مرحوم مولانا مفتی نصر اللہ قادری تلمیذِ حضرت مفتیِ اعظم مفتی محمد حسین قادری علیہ الرحمۃ کے چہلم کی تقریب میں شکارپور حاضر ہوا۔ صدارت حضرت قائدِ ملّتِ اسلامیہ (حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ) فرما رہے تھے۔ یہ فقیر حضرت کے بالکل ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اچانک میری نظر حضرت قائدِ اہلِ سنّت (حضرت شاہ احمد نورانی) کے دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت کے دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر سیاہ تِل کا واضح نشان ہے۔ میرا ذہن فوراً حضرت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی طرف ملتفت ہوا۔ میں نے حضرت قائدِ اہلِ سنّت سے مفتی صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو اس وقت میرے ذہن میں موجود تھا عرض کیا کہ مفتی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ جو لوگ حضرت صدّیقِ اکبر کی

[9] "مرآۃ شرح مشکوٰۃ"، جلد ۸، ص۳۵۹۔

اولاد سے ہوتے ہیں، اُن کے پاؤں کے انگوٹھے میں سیاہ تل ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ! آپ کے دونوں پاؤں کے انگوٹھوں میں سیاہ تل ہے؛ تو حضرت نے فرمایا:

'جب مفتی صاحب شرح مشکوٰۃ شریف لکھ رہے تھے، اُس دوران وہ کراچی میرے گھر پر تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ اپنے پاؤں دکھاؤ؛ میں نے حکم کی تعمیل کی، تو میرے دونوں انگوٹھوں پر تل دیکھ کر فرمایا کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو صدّیقی ہوگا، اُس کے پاؤں کے انگوٹھے پر سیاہ تل کا نشان ہوگا'۔

حضرت نے فرمایا کہ 'مفتی صاحب نے میرے دونوں پاؤں کے تل کا مشاہدہ فرمانے کے بعد اُسے مراٰۃ میں تحریر فرمایا'۔ پھر میری اصلاح فرماتے ہوئے فرمایا کہ

'جو نجیب الطرفین ہوگا، اُس کے دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر تل ہوگا'۔

آج یہ مضمون لکھتے وقت مراٰۃ میرے پیشِ نظر ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے مضمون کا اختتام اس جملے پر کیا:

'میں نے بہت سے صدّیقی حضرات کے پاؤں کے انگوٹھے میں یہ تل دیکھے ہیں۔'

میں سمجھتا ہوں یہ اشارہ حضرت قائدِ اہلِ سنّت کی ذات کی طرف ہے۔"[10]

بعد الغاری صدّیقی:

چوں کہ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما واقعۂ غار کے بعد پیدا ہوئے تھے، اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے، مولانا محمد آصف خان قادری علیمی لکھتے ہیں:

"اِسی نسبت سے حضرت محمد بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد

---

10 "علماءِ حق کی آبرو" از مفتی محمد ابراہیم قادری، مشمولہ سہ ماہی آگہی، سکھر (مفتیِ اعظم نمبر)، رمضان المبارک تا ذیقعد، ۱۴۲۹ھ؛ نیز، تیسرے عرسِ نورانی سے خطاب، بیت الرضوان، کراچی، دسمبر ۲۰۰۶ء؛ نویں عرسِ نورانی سے خطاب، بیت الرضوان، کراچی، شوّال ۱۴۳۳ھ۔

"بعد الغاری صدّیقی" یعنی واقعۂ غار کے بعد والے صدّیقی کہلاتی ہے۔"[11]

مولانا نذیر احمد خجندیؔ بھی حضرت محمد بن ابی بکر کی اولاد سے ہیں؛ لٰہذا، اِس اعتبار سے آپ بھی "بعد الغاری صدّیقی ہوئے۔

شجرۂ نسب:

قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں خود کو حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتالیسویں میں پشت میں بتایا ہے۔[12]

اس کی تائید اُن کے چھوٹے بھائی حضرت حامد ربّانی صدّیقی عرف ربّانی میاں مدّ ظلہ العالی کی ایک تقریر سے بھی ہوتی ہے، جس میں ربّانی میاں نے فرمایا:

" میرے والد (حضرت علامہ نذیر احمد صدّیقی خجندیؔ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی) حضرت ابو بکر صدّیق کے بعد سینتیسویں نمبر (۳۷ ویں پشت) میں تھے اور نورانی بھائی اڑتیسویں نمبر پر۔"[13]

اس انٹرویو اور تقریر کا خلاصہ و تطبیق یہ ہے کہ حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی اور اُن کے بڑے بھائی حضرت مولانا نذیر احمد صدّیقی خجندیؔ حضرت ابو بکر صدّیق کے بعد سینتیسویں اور حضرت ابو بکر کو ملا کر اڑتیسویں میں پشت میں تھے اور حضرت شاہ

---

11 ماہ نامہ "معارفِ رضا" کراچی، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۳۵۔

12 مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ویڈیو کیسٹ، ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

13 جناب حامد ربانی: علیمی سے خطاب، بمقام: کچھی میمن مسجد، صدر، کراچی، ۲۲/ ذی الحجہ (تیئیسویں شب) ۱۴۳۲ھ، بعدِ عشا۔

احمد نورانی حضرت ابو بکر کو ملا کر انتالیسویں اور حضرت ابو بکر کے بعد اڑتیسویں پشت میں تھے۔

مذکورۂ بالا انٹرویو میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اُن کے پاس شجرۂ نسب محفوظ ہے۔

قاضی حمید الدین تک مولانا خجندیؔ کا شجرۂ نسب:

مولانا محمد اسماعیل میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء) کے فرزند محمد اسلم سیفی کی تصنیف "حیاتِ اسماعیل" میں درج شدہ شجرۂ نسب کے مطابق، حضرت مولانا قاضی صوفی حمید الدین صدّیقی خجندی رحمۃ اللہ علیہ تک، خطیب العلما حضرت علامہ نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب یہ ہے:

"نذیر احمد بن شاہ عبد الحکیم جوشؔ / حکیمؔ بن شیخ پیر بخش بن شیخ غلام احمد بن مولانا محمد باقر بن مولانا محمد عاقل بن مولانا محمد شاکر بن مولانا عبد اللطیف بن مولانا یوسف بن مولانا داوٗد بن مولانا احمد بن مولانا قاضی صوفی حمید الدین صدّیقی خجندی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔"[14]

دادا حضور اور دادی صاحبہ:

حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ کے دادا حضور شیخ پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی ۷/ دسمبر ۱۸۷۶ء)، جن کا تاریخی نام "مظہر اللہ (۱۲۱۱ھ)" تھا، ۱۴/ جولائی ۱۸۳۸ء کو مستقل طور پر میرٹھ میں مقیم ہوگئے تھے (حیاتِ اسماعیل، ص ۳۲)۔ حضرت مولانا خجندیؔ کی دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا (متوفّاۃ: ۱۹۰۱ء) نے سو برس کی عمر پائی۔ آپ حضرت

14 "حیاتِ اسماعیل"، ص ۳۰۔

سیّد غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کی مرید اور حضرت مخدوم شیخ فخر الدین اصفہانی چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی اولاد سے تھیں۔ شیخ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت میں ہندوستان تشریف لائے تھے؛ آپ کے صاحب زادے حضرت شیخ شہاب الدین اصفہانی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو شہنشاہ جہاں گیر کے شاہی فرمان کے مطابق جاگیر عطا ہوئی تھی۔ آپ کی درگاہ شریف سے متّصل جنوبی جانب ایک مسجد "مخدوم صاحب کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔[15]

والدِ ماجد اور چچا (مولانا اسماعیل میرٹھی):

حضرت شیخ پیر بخش کے تین صاحبزادے شیخ غلام نبی صدّیقی (ولادت: ۱۸۲۲ء)، علامہ شاہ محمد عبد الحکیم جوشؔ / حکیمؔ صدّیقی میرٹھی (ولادت: ۱۸۳۰ء)، مولانا اسماعیل صدّیقی میرٹھی (ولادت: ۱۸۴۴ء) اور ایک صاحبزادی (ولادت: ۱۸۲۸ء) تھیں (حیاتِ اسماعیل، ص ۳۲)، جن میں سے حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ کے والدِ ماجد سیّدنا نجیبِ مصطفیٰ حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عبد الحکیم صدّیقی (متوفّٰی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) اور عمِّ صغیر (چچا) مولانا اسماعیل میرٹھی (متوفّٰی: ۱۹۱۷ء) (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے بڑی شہرت پائی۔ حضرت مولانا خجندیؔ کے والدِ ماجد میرٹھ کی شاہی مسجد "التمش" کے خطیب ہونے کے علاوہ ایک بہترین مدرّس اور ایک باکمال نعت گو شاعر بھی تھے، "جوش" اور "حکیم" تخلّص کرتے تھے۔

معروف شاعر و صاحبِ طرز ادیب حضرت مولانا محمد اِسماعیل میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، جن کی کتب یوپی اردو بورڈ (انڈیا) کے نصاب میں شامل تھیں (ڈاکٹر فریدہ احمد: مجلّہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، ص ۵۵) اور جن کی نظمیں آج بھی پاکستان کی درسی کتب میں شامل

15 "حیاتِ اسماعیل (مع کلیاتِ اسماعیل)"، ص ۳۲۔

ہیں، شاہ عبد الحکیم صدّیقی کے چھوٹے بھائی تھے۔

جناب امداد صابری صاحب اِن دونوں بھائیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ دونوں حضرات سخن سنج، اہلِ سخن، اہلِ قلم، ادیب، مصنّف و مؤلّف اور استادِ زمانہ تھے؛ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے علم بردار تھے؛ میرٹھ میں فیضِ عام کالج اور مسلم گرلز ہائی اسکولز قائم کیے۔ چنانچہ مولانا نذیر احمد خجندؔی نے اپنے بڑے بھائی جناب احمد مختار صدّیقی کے منظوم حالاتِ زندگی ’مخدومِ خجندی‘ کے نام سے تالیف کیے ہیں، جس میں اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے حالات اور اُن کی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔“[16]

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

[16] ”تذکرہ شعراءِ حجاز“، ص ۳۸۴۔

دوسرا باب:

مولانا خجندؔی کی تعلیم اور جوہرِ خطابت

مولانا نذیر احمد خجندؔی کی تعلیم کے حوالے سے ماہ نامہ ”شاہ راہ“ میں ہے:

”حسبِ دستورِ قدیم چار سال، چار ماہ اور دس دن کے بعد سلسلۂ تعلیم کی بسم اللہ شروع ہوئی۔ سات برس کی عمر میں کلام اللہ شریف ختم کیا؛ دس برس کی عمر میں اُردو، فارسی حدِّ تکمیل کو پہنچائی اور گیارھویں سال مدرسۂ اسلامیہ میرٹھ میں عربی (درسِ نظامی) کی تعلیم شروع کی۔ یہی سال فنِّ شعر کی ابتدا کا بھی ہے۔ عربی اور فنِّ شعر میں آپ کے سب سے پہلے ہم سبق ہندوستان کے مشہور شاعر، عالم وفاضل مولانا شعیب احمد ندرؔت ہیں۔“[17]

امداد صابری صاحب آپ کی تعلیم کے حوالے سے رقم فرماتے ہیں:

”مولانا نذیر احمد صاحب خجندؔی نے فارسی کی کتابیں اپنے والدِ ماجد مولوی عبد الحکیم صاحب جوؔش سے پڑھیں اور مدرسۂ اسلامیہ میرٹھ نومحلّہ میں مولوی احمد صاحب سے عربی کی تعلیم[18] پائی۔[19]

ایک خوش الحان قاری:

مولانا نذیر احمد خجندؔی کے بھتیجے جناب مولانا پروفیسر حبیب الرحمٰن صدّیقی

[17] ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۲۔

[18] عربی کی تعلیم سے مراد درسِ نظامی ہے۔ ندیم۔

[19] ”تذکرہ شعراءِ حجاز“، ص ۳۸۸۔

صاحب بن مولانا خلیل الرحمٰن صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق مولانا نذیر احمد خجندی ایک خوش الحان قاری بھی تھے۔ ملاحظہ کیجیے: "تذکرہ شعراءِ حجاز"، صفحہ ۴۰۹۔

جوہرِ خطابت اور طبّی تعلیم و خدمات:

مولانا نذیر احمد خجندی کی تقریر کا انداز بڑا دل کش اور پُر اثر تھا؛ لوگ آپ کی تقریر سے خوب محظوظ ہوا کرتے اور آپ کو "خطیب العلما" کے لقب سے پکارا کرتے تھے؛ ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی کے سرورق (Title) پر یہ عبارت مرقوم ہوا کرتی تھی:

"سرپرست حضرت علّامہ خطیب العلماء مولانا نذیر احمد صاحب خجندی۔ مدیرِ مسئول محمد فصیح الزّماں صدّیقی"

جناب امداد صابری صاحب مولانا نذیر احمد خجندی کی شانِ خطیبانہ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"مولانا خجندی رسولِ خدا ﷺ کی سیرت پر بڑی عالمانہ اور پُر جوش و مؤثّر تقریر کرتے تھے، سُننے والے کہتے ہیں اُن کی تقریر میں جادو تھا، سامعین بے حد متاثّر ہوتے تھے۔۔۔ مولانا نے خلافت کی تحریکوں میں دل کھول کر حصّہ لیا۔ ایک مرتبہ جب آپ جیل سے رہا ہو کر آئے، اور بڑی مؤثّر اور عالمانہ تقریر کی تو لوگوں نے آپ کی تقریر سے متاثّر ہو کر اُسی اجتماع میں 'خطیب العلما' کا خطاب دیا۔"[20]

ضیاء الدین برنی (بی۔ اے۔) رقم فرماتے ہیں:

"مولوی نذیر احمد خجندی میرٹھ کے رہنے والے تھے اور چوں کہ اُن کا تعلق

---

[20] "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص ۳۸۸ تا ۳۸۹۔

پرانی وضع کے علمی گھرانے سے تھا، اس لیے انھوں نے پہلے تو درسِ نظامی کی تکمیل کی اور پھر طب کا مطالعہ کیا، اگرچہ طبیب کی حیثیت سے وہ بمبئی میں صرف تھوڑے سے عرصے کے لیے جلوہ گر ہوئے۔ اُن کے ایک بھائی (مولوی احمد مختار صدّیقی) تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں جنوبی افریقہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ اُن کے دوسرے بھائی (مولوی عبد العلیم صدّیقی) سنگاپور، ماریشس وغیرہ علاقوں میں مدّتوں تبلیغ کا کام کرتے رہے، جہاں اُن کے قائم کردہ اِدارے آج بھی مصروفِ تبلیغ ہیں۔"[21]

مولانا نذیر احمد خجندی نے اگرچہ شعبۂ طب میں زیادہ عرصہ نہیں گزارا؛ لیکن، آپ اس فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور مختلف اَمراض کی اَدوِیہ بھی تیار کرتے تھے، جن کے اشتہار کا ایک عکس "مجرباتِ خجندی" کے عنوان سے ہم ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی سے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کریں گے، لیکن اِس سے قبل ہم ذیل میں حضرتِ خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر کو اپنی اِس کتاب کی زینت بنا رہے ہیں، جس میں آپ نے ڈاکٹری یعنی علاج بِالضِّد (Allopathy) کے مقابلے میں طبِّ یونانی کی برتری بیان فرمائی ہے۔

طبِ یونانی اور ڈاکٹری (مولانا خجندی کی ایک تقریر):

ہم ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی کے ایک شمارے سے حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی "طبِ یونانی اور ڈاکٹری" کے عنوان سے ایک تقریر مع ادارتی نوٹ:

"[وہ تقریر جو ۱۵ر ستمبر ۱۹۳۵ء کو جمعیّۃ الاطبّا صوبۂ بمبئی کے اجلاسِ عام میں سیّد منوّر صاحب جے۔ پی۔ ایم۔ ایل۔ سی۔ کے سامنے معلومات بہم پہنچانے کی خاطر برجستہ پیش کی گئی اور آج تک کسی اخبار یا رسالے میں شائع نہیں ہوئی۔ ہم نے اتفاقاً اِس

---

[21] "عظمتِ رفتہ"، ص ۳۱۵۔

کو دیکھا اور ناظرینِ شاہ راہ کے لیے حاصل کیا۔ (ادارہ)]

محترم صدر، مسٹر سیّد منوّر! اور حضراتِ حاضرین!

مجھے موقع دیا گیا ہے کہ بحیثیتِ طبیب، ڈاکٹری کے مقابل طبِّ یونانی کی فضیلت بیان کروں، لیکن میں اِس وقت بہ صورتِ مریض حاضر ہوں، ضعف و نقاہت سے کسی طویل تقریر کی توقّع نہیں ہو سکتی؛ پھر معلومات کا ایک کافی ذخیرہ جناب صدرِ محترم نے پیش فرمادیا اور وید صاحبان نے بھی معقول باتیں فرمائیں۔

میں جب اِس مسئلے پر توجّہ کرتا ہوں کہ آخر یہ ڈاکٹری کا فن آیا کہاں سے، پیدا کیسے ہوا؟، تو تاریخی نقطۂ نظر سے اِس کا صاف جواب یہ ملتا ہے کہ

(۱) کئی سو برس تک ان انگریزوں نے بغداد، دمشق، غرناطہ (اندلس) کی مسلم یونی ورسٹیوں میں عربوں کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔

(۲) سینکڑوں برس تک شیخ بو علی سینا کو "کلیدِ عقل" کا خطاب دیتے ہوئے، اُن کے "قانون" سے فیض و فائدہ حاصل کیا۔

(۳) صدیوں تک زکریّا، رازی، ابنِ رشد جیسے اَطِبّائے باکمال کی تصانیف سے دل و دماغ کو روشن کیا گیا۔

طبِّ یونانی سے درس لینے کے بعد ڈاکٹری کا فن پیدا ہوتا ہے، جس کو صاف لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ:

'ڈاکٹری دراصل طبِّ یونانی کا بچّہ ہے' اور بچّہ بھی: نو آموز و طفلِ مکتب!

نو آموز اور طفلِ مکتب مَیں نے کیوں کہا؟

اِس لیے کہ ہنوز، یہ فن 'تکمیلِ فن' کہلانے کے قابل نہیں ہے۔ آپ طبِّ یونانی سے ایک تشخیص کے مسئلے کو اُٹھا لیجیے:

طبِّ یونانی نے جس قدر اِس مسئلے کے جزئیات کو بیان کر کے ہر مرض کی

تکمیلِ تشخیص کا صحیح نقشہ پیش کیا ہے، ڈاکٹری فن اس برتری سے کوسوں دور ہے۔

سل اور دق جیسے اَمراض کی خاطر لاکھوں روپیہ صرف کیا جارہا ہے، لیکن کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اِس کے علاج میں پوری کام یابی حاصل کر لی گئی۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ علی العموم ڈاکٹر صاحبان پہلے اور دوسرے اسٹیج میں اِس مرض کی تشخیص سے بھی عاری ہیں؛ پھر تیسرے اسٹیج کی تشخیص جو نتیجہ رکھتی ہے وہ ظاہر!

ادویّہ: دواؤں کے مسئلے کو لیجیے تو بِلا شبہ اسّی فی صدی یونانی ادویّہ سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کو نئے رنگ و روپ میں ڈھالا جاتا ہو، لیکن اصل ماخذ تو طبِّ یونانی ہی کی ادویّہ ہیں۔

ویدیک کے متعلّق کافی معلومات مجھ سے پہلے پیش کی جاچکی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ادویّہ کا بہت بڑا ذخیرہ ہندوستان کی پیداوار! کامل الفن، طبیب و وید، ہندوستان کے باشندے، جو مریض اور دوا دونوں کے مزاجوں سے بخوبی واقف، بکثرت ہندوستان میں موجود! تو پھر حکومت، ڈاکٹری کی اتنی زبردست طرف دار کیوں ہے؟

میں آزاد خیال ہوں؛ مجھے ایک سیدھی سی بات کہنے کی اجازت دیجیے، جو سیاسی حکمت پر مبنی ہے؛ مگر تاریخی واقعہ ہے، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخ شاہد ہے کہ دورِ آخر میں ایک بادشاہِ ہندوستان سے ایک ڈاکٹر نے اپنی کام یابی کا صلہ: 'اجازتِ تجارت' کی صورت میں حاصل کیا اور وہی 'اجازتِ تجارت' ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کا باعث بنی۔ پھر جس (ڈاکٹری) کی بدولت حکومت حاصل ہوئی، جس کی بدولت سلطنت ملی، اس کی جس قدر بھی قدر کی جائے وہ کم ہے۔ (اس فقرے پر تمام ہال تحسین و آفریں کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ ہر شخص اس

نکتے کو سمجھا۔ اس کی حقیقت کا معترف ہوا؛ شاہ جہاں اور اُس کی بیٹی اور ڈاکٹر لارنس کے علاج کی یاد تازہ ہوگئی اور زبان زد۔ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا گیا کہ)

وید صاحبان یہاں کے قدیم باشندے ہیں اور اطبّا تقریباً ایک ہزار برس سے اِس خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کا حق ہے کہ حکومت سے کافی اور بیش از بیش امداد حاصل کریں۔ اب تک مَیں نے تاریخی نقطہ ہائے نظر سے چند باتیں عرض کیں اور اب واقعات کے اعتبار سے چیلنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر اعداد و شمار کے ذریعے احتساب کیا جائے گا، تو باوجودیکہ ہندوستان کے چپے چپے پر انگریزی ہاسپٹل موجود ہیں، مفت علاج کا ڈھنڈورا کونے کونے میں بج رہا ہے، پھر بھی یہ روشن اور بیّن چیز ہے کہ جس قدر مریض طبیبوں کے پاس آتے ہیں اس کا عُشرِ عَشیر اِنگریزی علاج کی طرف متوجّہ نہیں۔ پھر میں چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں کہ:

ڈاکٹری علاج سے دس فی صدی مریض تن درست ہوتے ہیں اور دیسی (طبّی ہو یا ویدک) علاج سے تن درست اَفراد کی تعداد پچاسی فی صدی سے کم نہیں ہوتی ہے، جس وقت جی چاہے، اس کا تجربہ کر لیا جائے۔

کم زوری: اِس کے ساتھ ساتھ آپ مجھے اجازت دیجیے کہ مَیں اس اہم کم زوری کو بھی ظاہر کر دوں، جس نے مدّتِ مدید تک حکیموں اور ویدوں کو ترقّی کی راہ سے دور رکھا۔ وہ سب سے بڑی کم زوریاں دو(۲) ہیں:

(۱) وید ہوں یا اِطبّا، سب نے اپنے علاج کا دار و مدار عطّاروں کے بھروسے پر رکھا اور عطّاروں کی خود غرضیوں نے ان کے علاجوں کو ایک حد تک بدنام کر دیا۔ خدا بہتر جزا دے حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کو، جنھوں نے طبّی ویدک کانفرنس اور کالج قائم کرنے کے ساتھ ساتھ دواخانہ بھی جاری کیا اور اپنی نگرانی میں دوائیں بنوانے کا سبق دنیا کو سکھایا۔ آج کل بالخصوص سواحل کے شہروں میں تو اس کا رواج ہو گیا کہ اطبّا دوا

خانہ بھی رکھتے ہیں؛ لیکن وسطِ ہند میں بہت جگہ نسخہ نویسی اور عطّاروں پر بھروسے کا سلسلہ جاری ہے۔

(۲) آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر جب کوئی معمولی سے معمولی تجربہ حاصل کرتا ہے، تو ببانگِ دُہل اُس کا اعلان دنیا بھر میں کیا جاتا ہے، لیکن اب تک ہمارے اَطِبّا میں یہ عیب موجود ہے کہ اُن کے تجربات سینے میں رہتے اور قبر میں ساتھ جاتے ہیں۔

خدا بھلا کرے اِن دو حکیموں کا (حکیم علی محمد خان صاحب اور حکیم فضلِ رحیم صاحب) جنھوں نے اپنے تجربات سے فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے اور قدِّ آدم سے بڑے بڑے اشتہار جدید اُصول پر جاری فرمائے ہیں۔ میں نے اوّل عرض کیا تھا: میں طبیب ہوں، نہ ہوں، اس وقت مریض تو ضرور ہوں۔ اب زیادہ تقریر نہیں کر سکتا۔

آخر میں اپنے محترم دوست مسٹر سیّد منوّر صاحب کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اس تجویز کی بدولت وہ فنِّ طب اور ویدک کے ماہر نہ بن سکیں، لیکن ڈاکٹروں، حکیموں اور ویدوں کے ماہر ضرور بن جائیں گے۔

اِتنا عرض کر کے بیٹھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ (بعض احبابِ خصوصی کے اِصرار پر دو(۲) روز کے بعد سوچ سوچ کر اِشاعت کے لیے تقریر کو قلم بند کیا ہے۔ کمی و بیشی معاف۔"[22]

اگلے صفحے پر مجرباتِ خجندیؔ کے ایک اشتہار کا عکس ملاحظہ فرمائیں، جس کے آخر میں مولانا خجندیؔ کے دواخانے کا پتا (Address) بھی درج ہے۔

22 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، صفر المظفر ۱۳۵۶ھ، ص ۱۲ تا ۱۳۔

مولانا خجندی کی تیار کردہ چند اَدویات:

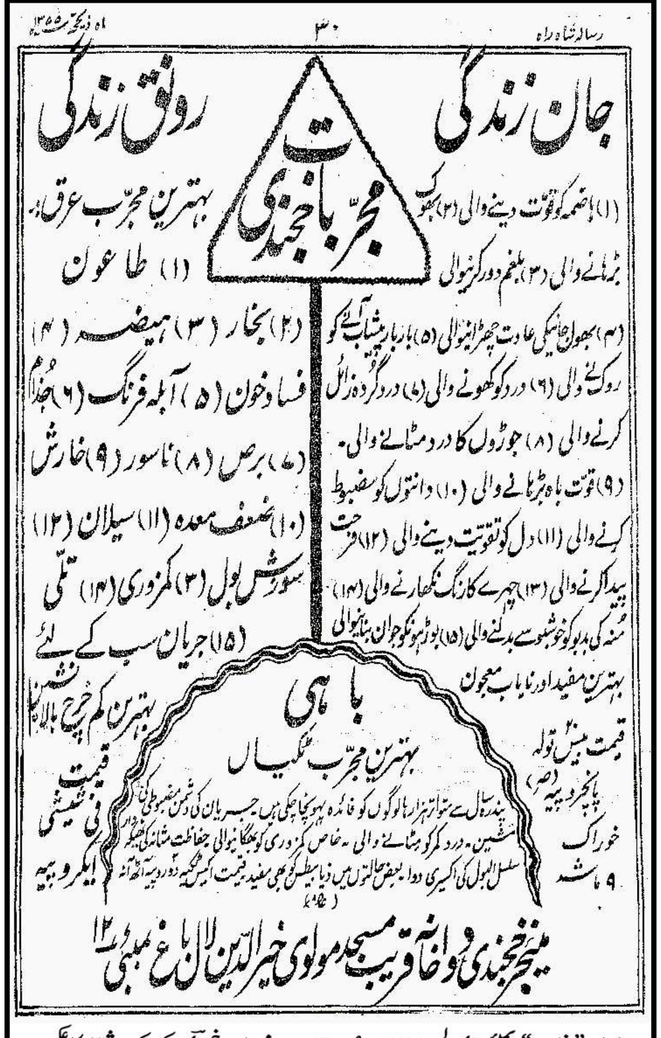

ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی، ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ، ص ۳۰/ سے مجرباتِ خجندی کے ایک اشتہار کا عکس

تیسرا باب:

مولانا خجندی کی بیعت وخلافت، سیرت اور تعویذات

مولانا خجندی کس سے بیعت تھے، اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی۔ ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی کے ایک شمارے میں، مولانا نذیر احمد خجندی کی ایک تصویر لگائی گئی[23] جس میں وہ، بمقام آزاد پارک بمبئی، کھڑے ہوئے عید الاضحیٰ ۱۳۵۵ھ کا خطبہ پڑھ رہے ہیں؛ اُس تصویر میں آپ نے ایک جبّہ زیب تن کیا ہوا ہے اور سر مبارک پر اشرفی سلسلے کے عمامہ شریف کا تاج سجا ہوا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ سلسلۂ اشرفیہ میں بیعت تھے یا اِس سلسلے کے کسی بزرگ نے آپ کو شرفِ خلافت سے نوازا تھا۔ چناں چہ علّامہ محمود احمد رفاقتی کان پوری نے مخدوم الاولیا شیخ المشائخ حضرت ابو احمد سیّد شاہ محمد علی حسین اشرفی جیلانی عرف اشرفی میاں رضی اللہ عنہ کے حالات پر ایک کتاب "حیاتِ مخدوم الاولیا، محبوبِ ربّانی" لکھی، جس میں انھوں حضور اشرفی میاں کے خلفائے کرام کی فہرست بھی دی ہے اُس فہرست میں خود حضرت مولانا نذیر احمد خجندی کا اسمِ گرامی بھی ہے اور آپ کے والدِ ماجد حضرت شاہ عبد الحکیم جوشؔ صدّیقی کا بھی نام مبارک ہے اور آپ کے تین بھائیوں: حضرت مبلغِ اسلام علّامہ شاہ احمد مختار صدّیقی، علّامہ محمد بشیر صدّیقی اور مبلّغِ اسلام علّامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی کے بھی نام درج ہیں۔ اس طرح ایک ہی گھر کے پانچ افراد کو حضور اشرفی میاں کے خلفا ہونے کا اعزاز حاصل ہے (علیہم الرحمۃ)۔

کیا مولانا خجندی کو اعلیٰ حضرت سے خلافت حاصل تھی؟:

اس بات کا بھی ذکر ملتا ہے کہ حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے؛ اس کی تفصیل اِسی کتاب کے

---

[23] ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، صفحہ نمبر ۲، ٹائٹل۔

آٹھویں باب میں "اعلیٰ حضرت ۔۔۔اور مولانا خجندیؔ" کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ جناب مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب نے ماہ نامہ "ضیائے حرم" لاہور (اگست ۱۹۸۹ء) کے حوالے سے جناب گل محمد فیضی صاحب کا ایک اقتباس[24] نقل کیا ہے، جس میں فیضی صاحب نے حضرت مولانا خجندیؔ کو اعلیٰ حضرت کا مرید باصفا لکھا ہے۔[25]

پاکیزگیِ سیرت کی گواہی ("عظمتِ رفتہ" میں):

جناب ضیاء الدین احمد برنی صاحب (بی۔اے۔) کے حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ سے پرانے تعلّقات و روابط تھے۔ وہ بزمِ خیال (بمبئی) کے صدر تھے اور مولانا خجندیؔ اس کے نائب صدر۔ برنی صاحب نے اپنے اُن معاصرین کے متعلّق اپنی یاد داشتیں "عظمتِ رفتہ" کے نام سے قلم بند کیں، جن سے اُن کے پرانے تعلّقات و مراسم تھے یا اُن سے کسی طرح ملاقات کا موقع میسّر آیا اور اُن تمام شخصیات کو وہ احترام و قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اُن شخصیات میں گوناگوں شعبوں اور مختلف مسالک سے وابستہ اَفراد (علما، شعرا، اُدبا، سیاسی وسماجی شخصیات وغیرہم) شامل ہیں۔

برنی صاحب اپنی مذکورۂ بالا تصنیف کی تمہید میں رقم طراز ہیں:

"مولوی محمد اسحاق والا مضمون کوئی پچیس سال قبل[26] لکھا گیا تھا۔ اُس وقت اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مجھے کبھی "عظمتِ رفتہ" کے نام سے کوئی کتاب لکھنی ہو

---

[24] جناب گل محمد فیضی صاحب کا یہ اقتباس ہم نے پیشِ نظر کتاب میں "قائدِ اعظم کا مولانا خجندیؔ کی اِمامت میں نماز ادا کرنا" کے عنوان کے تحت نقل کیا ہے۔ (ندیم)

[25] "تخلیقِ پاکستان میں علماءِ اہلِ سنّت کا کردار"، حاشیہ، ص ۱۴۷؛ ماہ نامہ "مصلح الدین"، کراچی، رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ / اگست ۲۰۱۰ء، حاشیہ، ص ۱۴۷۔

[26] یہ تمہید کراچی میں اپریل ۱۹۶۱ء کو لکھی گئی تھی۔ (ندیم)

گی اور یہ مضمون اس کا سنگِ بنیاد بنے گا۔ میں اس کتاب کو اپنی ارضی زندگی کا نچوڑ سمجھتا ہوں اور ساتھ ہی اپنے تئیں خوش قسمت خیال کرتا ہوں کہ اتنے صاحبِ عظمت بزرگوں سے میرے تعلّقات رہے۔"[27]

مذکورۂ بالا اقتباس میں برنی صاحب نے جن شخصیات کو صاحبِ عظمت کہا ہے، انھیں میں ایک شخصیت مولانا نذیر احمد خجندیؔ بھی تھے، جن کا ذکر برنی صاحب نے "عظمتِ رفتہ" کے تین صفحات (۳۱۵تا۳۱۷) میں کیا ہے، جسے ہم نے اپنی اِس کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت تھوڑا تھوڑا کر کے مکمّل طور پر شامل کر لیا ہے۔

ضیاء الدین احمد برنی صاحب مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و کردار سے متعلّق حسبِ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:

"خجندیؔ بڑی پاکیزہ سیرت کے مالک تھے۔ وہ بے حد متوکّل اور صابر انسان تھے۔ کڑے وقتوں کو اُنھوں نے جس صبر وشکر سے جھیلا، وہ اُنھی کا حصّہ تھا۔"[28]

پارسیوں کی مولانا خجندیؔ سے عقیدت اور تعویذات:

قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علّامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مولانا (نذیر احمد خجندیؔ) بمبئی میں رہتے تھے اور بمبئی میں پارسی کمیونٹی بہت زیادہ تھی۔ پارسی کمیونٹی کے لوگ اُن کے پاس بہت آتے تھے، تعویذات وغیرہ کے لیے۔ پارسی لوگ کافی عقیدت مند تھے اُن کے۔"[29]

◈◈◈◈◈◈◈

---

[27] "عظمتِ رفتہ"، تمہید، صفحہ الف۔

[28] "عظمتِ رفتہ"، صفحہ ۳۱۷۔

[29] مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ویڈیو کیسٹ، ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

چوتھا باب:

اہلِ بمبئی کے لیے چند ناقابلِ فراموش خدمات

آزاد پارک، بمبئی میں عیدین کی اِمامت:

مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ عیدین کی نماز بمبئی کے آزاد پارک میں، جسے آزاد میدان، سپلینڈ میدان اور اسپلینڈ پارک بھی کہا جاتا ہے، پڑھایا کرتے تھے۔

چنانچہ جناب امداد صابری صاحب فرماتے ہیں:

"جب تک آپ (مولانا نذیر احمد خجندیؔ) بمبئی میں رہے، عید و بقر عید کی نماز آزاد پارک میں پڑھاتے رہے۔"[30]

ضیاء الدین احمد برنی بی۔ اے۔ لکھتے ہیں:

"اُن (مولانا خجندیؔ) کی ایک دو خدمات تو ایسی ہیں جنھیں بمبئی والے کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔ اُنھوں نے محمد زکریاؔ منہیار اور حکیم ابو یوسف اصفہانی کے ساتھ مل کر آزاد میدان (بمبئی) میں عیدین کی نماز کا ڈول ڈالا اور سر غلام حُسین سے، جو اُن دنوں محکمۂ رفاہِ عامّہ کے وزیر تھے، آزاد میدان کے ایک حصّے میں نمازِ باجماعت ادا کرنے کی اجازت حاصل کرلی؛ اُس وقت سے وہاں عیدین کی نمازیں بڑی شان سے ادا ہوتی ہیں۔

اُن کی دوسری خدمت یہ تھی کہ وہ شہر بمبئی کے تمام مسلم اِداروں کی طرف سے عیدِ میلاد کی تقریب نہایت شان دار طریقے سے کاؤس جی جہاں گیر ہال میں مناتے

30 "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص ۳۸۹۔

تھے۔ اُن جلسوں میں سب مذاہب کے لیڈروں کو شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ مسز نائیڈو، سردار تیجا سنگھ اور پارسی موبد اُس پلیٹ فارم سے ایک سے زائد مرتبہ تقریریں کر چکے ہیں۔ محمد علی جناح، نواب بہادر یار جنگ، مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلم اکابِر بھی اُن موقعوں پر پبلک سے خطاب کر چکے ہیں۔"[31]

آزاد پارک میں عید الاضحیٰ ۱۳۵۵ھ کا نظارہ:

آزاد پارک میں نمازِ عیدِ اضحیٰ ۱۳۵۵ھ کے حوالے سے ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی میں ایک رپورٹ شایع ہوئی، جس کے خاص خاص پہلو یہاں نقل کیے جا رہے ہیں۔ اس اقتباس کے بعض مقامات پر ہم نے علامتِ حذف "۔۔۔" استعمال کی ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ رپورٹ کی کچھ عبارت کو یہاں طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا گیا ہے:

"انجمن تبلیغ الاسلام بمبئی کے زیرِ نظام عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی نماز بھی ادا کی گئی۔۔۔ ۱۸ تا ۲۱/ (فروری) تک صرف چار روز میں میدان کے اندر عید کی تیاری کا زبردست انتظام جس خوبی سے اُنھوں (سیٹھ محمد زکریاؔ منیار) نے انجام دیا وہ مستحقِ مبارک باد ہے۔۔۔ نماز شروع ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے لاؤڈ اسپیکر پر خطیب العلما حضرت مولانا نذیر احمد صاحب خجندیؔ نے ایک تقریر کے ذریعے جشنِ حج اور عیدِ قرباں کے مَناظر اور ان کی حقیقت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے وحدتِ اسلامیہ کی شان کو نمایاں فرمایا اور یہ اعلان کیا کہ نماز و خطبہ کے بعد اعلیٰ حضرت والا مرتبت حضورِ مستطاب نظام الملک والملّت ہز اگزالٹڈ ہائی نس نواب میر عثمان علی خان صاحب تاج دارِ دکن و برار کی جشنِ سیمیں (Silver Jublee) کے سلسلے میں مبارک باد پیش کی جائے۔ نماز حسبِ قاعدہ ادا کی گئی اور لاؤڈ اسپیکر اس قدر نفیس تھا کہ اسپلینڈ میدان

31 "عظمتِ رفتہ"، ص ۳۱۵ تا ۳۱۶۔

سے دور دور تک بھی اس کی آواز بہت صاف اور صحیح پہنچتی تھی۔۔۔۔خطبات کے (بعد) ایک مختصر اور جامع دعا اسلام و مسلمین کی فتح و نصرت کے لیے کی گئی اور فاتحہ پر فریضۂ نماز ختم کیا گیا۔ اوّل مولانا خجندیؔ صاحب نے یہ آواز دی کہ ڈاکٹر عبد الحمید صاحب تقریر کرنے کے لیے تشریف لائیں۔ دو منٹ تک ان کا انتظار کیا جائے گا، پھر یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے، مولانا نے خود اعلیٰ حضرت نظامِ دکن خَلَّدَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ کی جشن جوبلی پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے مختصراً ان خصوصیات پر روشنی ڈالی جو پچیس سالہ عہدِ حکومت میں حضرت ظلّ اللہ کے وجودِ باوجود سے ظہور میں آئیں۔ اس کے بعد ایک بسیط دعا تاج دارِ دکن کے واسطے کی گئی۔۔۔۔

آخر میں مولانا نے دیگر سلاطینِ اسلام کے لیے جداگانہ مخصوص دعا فرمائی اور اسی دعا پر یہ مبارک جشن بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا، اور انجمن تبلیغ الاسلام بمبئی کے خصوصی ارکان کی مساعی بار آور اور مفید تر ثابت ہوئی۔ اس اجتماع کا اندازہ چالیس ہزار تک کیا جاتا ہے۔ مولانا نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ خوجہ جماعت کے نمایندے اور بوہرہ جماعت کے نمایندے اور سُفراءِ دُوَل میں سے سفیر افغانستان اور سفیر ایران بھی یہاں موجود ہیں اور سب مبارک باد پیش فرماتے ہیں۔ انجمن کی طرف سے موجودہ امام اور سفرائے دُوَل کو ہار اور طرّے نذر کیے گئے، اور شامیانے میں اکثر و بیش تر حضرات نے باہمی معانقہ و مصافحہ کا لطف اٹھایا اور انجمن کی طرف سے آبِ شیریں، پان، الائچی اور چکنی ڈلی سے خاطر تواضع کی گئی۔۔۔۔

اسی سلسلے میں بمبئی کا مشہور انگریزی اخبار۔ جو ٹائمز آف انڈیا کے دفتر سے شام کے وقت نکلتا ہے، 'ایوننگ نیوز' (Evening News) لکھتا ہے کہ تقریباً ایک چوتھائی ملین بندگانِ خدا کی آواز بمبئی کی مسجدوں اور میدانوں میں گونج رہی تھی، جب کہ خلوصِ قلب سے عیدِ اضحیٰ کے موقع پر جوشِ عقیدت کے ساتھ آج صبح ہر فرد

مسلمان سجدۂ عبودیت ادا کرنے کے لیے جمع تھا۔۔۔۔نماز ختم ہونے کے بعد مولانا نذیر احمد خجندیؔ نے، جو اَب تک فرائضِ اِمامت انجام دے رہے تھے، عیدِ الاضحیٰ کی مناسبت سے ایک جامع اور بسیط خطبہ دیا۔ مولانا نے اس چیز کو واضح کیا کہ ہمیں اس مبارک موقع پر کیا کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے بیٹے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو خدا کی راہ میں قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔ ہم کو بھی ان کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور خدا کی راہ میں ہر ممکن قربانی دینی چاہیے۔

اس کے علاوہ دیگر اُمور پر بھی روشنی ڈالی اور باہمی خلوص، ہمدردی پر ثابت قدم رہنے کا درس دیا۔۔۔۔"[32]

مولانا خجندیؔ ــــ محفلِ عیدِ میلاد النبی کے روحِ رواں:

مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا محفلِ میلاد شریف منعقد کرنے میں بڑا نمایاں کردار تھا، پہلے آپ جلسۂ عیدِ میلادِ مبارک خیر نگر، میرٹھ شہر کے نائب ناظم بھی رہ چکے تھے، اور پھر بمبئی میں قیام کے دوران بھی آپ جلسہ ہائے عیدِ میلاد النبی ﷺ منعقد کرنے میں پیش پیش رہے، آپ ان جلسوں کا اہتمام بڑے احسن انداز میں فرمایا کرتے، جو بڑے کام یاب رہتے تھے، جس کا اندازہ ضیاء الدین برنی صاحب کے مذکورۂ بالا اقتباس سے بھی ہوتا ہے اور ماہ نامہ "شاہ راہ" کا مندرجۂ ذیل اداریہ بھی یہی گواہی دے رہا ہے:

"خدا سلامت رکھے مولانا خجندی اور سیٹھ محمد زکریا منیار کو کہ حقیقتاً یہ دونوں عیدِ میلاد النبی ﷺ کے روحِ رواں ہیں۔ بمبئی میں تماشہ بیں طبقے کے لیے جلوس بھی نکلے، اہلِ دین حضرات کی خاطر جگہ جگہ جلسہ ہائے وعظ بھی ہوئے؛ لیکن سب سے زیادہ شان دار عیدِ میلاد کی بہار تھی، جو سر کاؤس جی جہانگیر ہال میں اہلِ نظر نے دیکھی اور

[32] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۲۵ تا ۲۶۔

اس میں روح کو بیدار و زندہ اور ایمان کو تازہ کرنے والی تقریر نواب بہادر یار جنگ کی تھی، جس نے تمام شہر میں تہلکہ برپا کر دیا، وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ کی شان جلوہ گر ہوئی۔ بار بار وہ تقریرِ سدا بہار سننے پر بھی اہلِ ایماں سیر اب نہ ہو سکے۔ یہ یادگار سال بھر تک باقی رہے گی۔ (ادارہ)"[33]

عیدِ میلاد النبی ﷺ کے ایک اجلاس کی رپورٹ کا خلاصہ:

جمعیت منظمہ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (بمبئی) نے اپنا گیارھواں سالانہ اجلاس بمبئی کی چوہتّر (۷۴) انجمنوں کو اپنے ساتھ ملا کر منعقد کیا، جو دراصل چار اجلاسوں پر مشتمل تھا:

اجلاسِ اوّل اتوار ۱۲/ ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۳/ مئی ۱۹۳۷ء کو ڈھائی بجے دوپہر تا ساڑھے چھے بجے شام، زیرِ صدارتِ جناب نواب بہادر یار جنگ انعقاد پزیر ہوا، جس میں نواب صاحب نے ایک فصیح و بلیغ خطبۂ صدارت پیش کیا۔ دیگر مقرّرین کے علاوہ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی، جو اُس وقت آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر تھے، ایک جامع اور مختصر تقریر انگریزی زبان میں فرمائی، آپ نے اپنی تقریر میں اس بات پر روشنی ڈالی کہ سیرتِ پاک سے مسلمان کو کیا کیا فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

پیر ۱۳/ ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴/ مئی ۱۹۳۷ء کو دوسرا اجلاس، جو ڈاکٹر کمال پاشا تائل کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تھا، رات ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک جاری رہا۔ دیگر مقررین میں مولانا حکیم شمس الاسلام دہلوی، مولانا سیّد ابو الحسن ناطق (ناگپور)، جناب نواب بہادر یار جنگ وغیرہ شامل تھے۔

تیسرا اجلاس منگل ۱۴/ ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۵/ مئی ۱۹۳۷ء کو

---

33 ماہنامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۲، ٹائٹل۔

سرکاؤس جی جہانگیر ہال (بمبئی) میں منعقد ہوا، جو سہ پہر ۳/ بجے سے شام ۶/ بجے تک جاری رہا۔ یہ زنانہ اجلاس تھا، جس میں ایک ہزار سے زائد خواتین نے شرکت کی۔ مسز نور بانو محمد زکریا منیار کی تحریک اور مس فاطمہ اے۔ شکور کی تائید سے بیگم صاحبہ نواب آف بیلہ کرسیِ صدارت پر رونق افروز ہوئیں اور نہایت مختصر تقریر سے اس مبارک جلسے کی اہمیت و سیرتِ سرورِ کونین ﷺ کی فضیلت پر روشنی ڈالی۔ دیگر خواتین کے علاوہ محترمہ رئیس خاتون صاحبہ متینہ رحمۃ اللہ علیہا بنتِ حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بسیط تقریر میں اس موضوع پر روشنی ڈالی کہ دنیا کے پردے پر صرف نبیِؐ کریم پیغمبرِ اسلام ﷺ نے خواتین کی شان بلند کر کے دکھائی، اور تبلیغ کا میدان ہو یا جہاد کا، علمی جدّوجہد ہو یا صنعتی و حرفتی یا سیاسی راہِ عمل؛ ہر موقع پر اسلام اور صرف اسلام کی عورت کو مرد کے پہلو بہ پہلو چلنے کا سبق دیا۔ متعدد مثالوں سے اس مضمون کو کامیاب بنایا گیا۔

چوتھا اجلاس بمقام میدان بھنڈی بازار محمد علی روڈ (بمبئی)، منگل ۱۴/ ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۵/ مئی ۱۹۳۷ء کو نو بجے شب شروع ہو کر، بارہ بجے شب اختتام پزیر ہُوا۔ شیخ علامہ احمد شبلی صاحب نے حسبِ تحریکِ مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ و مسٹر مکی رکنِ غازی فوج کرسیِ صدارت کو رونق بخشی۔[34]

جامع مسجد "خیر الدین، بمبئی" کی اِمامت و خطابت و نظامت:

مولانا خجندؔی جامع مسجد خیر الدین، بمبئی میں اِمامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے؛ نیز، اُس مسجد کا انتظام و انصرام بھی آپ ہی کے ہاتھ میں تھا۔ یہ مسجد حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیر کردہ ہے، جو انھیں کے نام سے موسوم ہے۔

---

34 ماہنامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۱۹ تا ۲۲، مُلَخَّصًا۔

چنانچہ جناب ضیاء الدین احمد برنی (بی۔ اے۔) لکھتے ہیں:

"مولوی صاحب (مولانا نذیر احمد خجندؔی) برسوں مسجدِ خیر الدین کے اِمام رہے۔ یہ وہ مسجد ہے، جسے مولانا ابو الکلام آزاد کے والدِ ماجد نے تعمیر کرایا تھا، اور آج بھی وہ اُنھیں کے نام سے موسوم ہے۔ اس مسجد کی آمدنی اور مصارف کبھی متوازن نہیں ہوئے، لیکن اس کے باوجود وہ اس سے لپٹے رہے؛ حالاں کہ اُنھیں ہر مہینے مصارف پورا کرنے کی غرض سے اچھی خاصی تگ و دو کرنی پڑتی تھی۔"[35]

اِسی حوالے سے جناب امداد صابری صاحب رقم طراز ہیں:

"مولانا خجندؔی نے زندگی کا بیش تر حصّہ بمبئی میں گزارا۔ مسجد خیر الدین لال باغ کے پیش امام ہی نہیں، بلکہ اس کے سب کچھ کرتا دھرتا آپ ہی تھے، اس مسجد کا اہتمام و انتظام آپ ہی کرتے تھے۔ یہ مسجد۔۔۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے والدِ ماجد مولوی خیر الدین صاحب نے بمبئی میں تعمیر کرائی تھی۔"[36]

جناب خواجہ رضی حیدر صاحب لکھتے ہیں:

"(مولانا نذیر احمد خجندؔی) اپنے برادرِ بزرگ مولانا احمد مختار صدّیقی کے ایما پر بمبئی کی جامع مسجد کے امام و خطیب ہوگئے۔ یہ مسجد مولانا ابو الکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین نے بنوائی تھی۔ تحریر و تقریر پر قدرت ہونے کی بنا پر بہت جلد بمبئی میں ہر دل عزیزی حاصل ہوگئی۔"[37]

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

[35] "عظمتِ رفتہ"، ص۳۱۶۔

[36] "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص۳۸۹۔

[37] "رتّی جناح"، صفحہ ۴۹۔

پانچواں باب:

تعلیمی و تدریسی خدمات / اسکولوں کا قیام

جناب امداد صابری صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا خجندؔی کے بڑے بھائی جناب مولانا احمد مختار صاحب نے برما میں ایک دینی مدرسہ کھولا تھا، جس میں مولانا خجندؔی نے ایک برس تک درس دیا۔۔۔۔ اُن کے شاگردوں کی تعداد کافی تھی۔"[38]

مولانا نذیر احمد خجندؔی کی تعلیمی خدمات کے حوالے سے ماہ نامہ "شاہ راہ" کا اِداریہ انکشاف کرتا ہے:

"قومی خدمات ۱۹۰۶ء سے آج تک جس انہماک، سرگرمی، خلوص اور جوش سے آپ (مولانا خجندؔی) نے انجام دیں وہ سبق آموز ہیں۔ کم از کم بیالیس ابتدائی (Primary) اور دوہائی اسکول قائم کرنے میں آپ نے کافی محنت اُٹھائی۔ ہندوستان کی ہر بڑی سے بڑی جماعت کے ساتھ شریک رہ کر آپ مسلسل و متواتر خدماتِ ملّت میں مصروف رہتے ہیں۔"[39]

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

[38] "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص۳۸۸تا۳۸۹۔

[39] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۲۔

چھٹا باب:

مولانا خجندؔی کی صحافتی خدمات

مولانا نذیر احمد خجندؔی کی صحافتی خدمات کے حوالے سے ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی کا اداریہ حسبِ ذیل معلومات فراہم کرتا ہے:

"اِس راہ میں ۱۹۱۰ءِ کے اندر آپ نے سب سے پہلا قدم بڑھایا۔ ۱۹۱۰ءِ سے ۱۹۱۴ءِ تک اخبار 'تاجر' میرٹھ، ۱۹۲۴ءِ تک اخبار شوکت بمبئی، ۱۹۲۵ءِ سے ۱۹۲۸ءِ تک اخبار غالب بمبئی اور اخبار غیبی گولہ، ۱۹۳۰ءِ سے ۱۹۳۱ءِ تک روز نامہ نادر بمبئی کے ذریعے آپ نے مردانہ وار خدماتِ مُلک و مِلّت انجام دیں اور اب ۱۹۳۶ءِ میں 'شاہ راہ' کو آپ کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے۔"[40]

اخبار "شوکت" کب سے کب تک جاری رہا؟:

محوّلۂ بالا اقتباس کی اِس عبارت: "۱۹۲۴ءِ تک اخبار شوکت بمبئی" کو، بہ غور، ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس میں لفظِ "تک" یا "۱۹۲۴ءِ" سے پہلے کچھ عبارت کاتب کے قلم سے چھوٹ گئی ہے، جس کی وجہ سے کچھ اِبہام سا پیدا ہو گیا ہے۔ اِس سے یہ معلوم تو ہو رہا ہے کہ یہ اخبار ۱۹۲۴ء تک جاری رہا، لیکن یہ پتا نہیں چل رہا کہ اِس کا اِجرا کب ہوا۔ مندرجۂ ذیل اشتہار اور ہماری تحریر پر غور فرمائیں۔

[40] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۲۔

اخبار "شوکت" کا اشتہار:

پندرہ روزہ اخبار "الفقیہ" امرتسر، انڈیا نے (جو ۷؍ جون ۱۹۲۴ء سے ہفتہ وار ہو گیا تھا) اخبار "شوکت" کی اشاعت سے متعلّق حسبِ ذیل ایک اشتہار شایع کیا:

"شوکت

(زیرِ اِدارت خطیب العلماء مولانا حکیم نذیر احمد صاحب خجندؔی)

حُرّیّت کا عَلَم بردار، اسلام کا جاں نثار، صداقت کا مددگار، ہندوستانی بہبود کا اُمّید وار، مُلکی آزادی کا فدا کار، سیاسی اتّحاد کا طرف دار، مسلمانوں کی مذہبی، اقتصادی، علمی و عملی ترقّی کا عاشق زار، اپنی متانت، بلند آہنگی و صاف گوئی میں آزاد و خود مختار، ہفتہ وار اخبار نہایت آب و تاب سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ قیمت سالانہ اہلِ ہند سے چار روپے للعہ؍

پتا: منتظم دفتر اخبار شوکت، نمبر ۹۹ زکریّا مسجد اسٹریٹ، بمبئی ۳۔"[41]

اِس اشتہار اور اِس کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار "شوکت" ایک ہفتہ وار اخبار تھا، جو ۲۰؍ جنوری ۱۹۲۴ء سے پہلے کسی ہفتے میں جاری ہوا۔ اب دو (۲) اِمکان ہیں: ۱۹۲۴ء کے شروع میں جاری ہوا، یا پھر ۱۹۲۳ء کے آخر میں۔

اِس اشتہار کی روشنی میں ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی کی زیرِ بحث مبہم عبارت کی ممکنہ اصل کچھ اِس طرح ہو گی:

"۱۹۲۴ءِ سے۔۔۔(؟) تک اخبار شوکت بمبئی"

یا پھر "۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۴ء تک اخبار شوکت بمبئی"

[41] پندرہ روزہ "الفقیہ" امرتسر، اتوار، ۲۰؍ جنوری ۱۹۲۴ء / ۱۲؍ جمادی الثّانی ۱۳۴۲ھ، ص ۱۱۔

اور یا پھر "۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۴ء تک اخبار شوکت بمبئی" (یعنی ۱۹۲۴ء کے شروع میں جاری ہوا اور ۱۹۲۴ء ہی میں بند ہو گیا؛ یا پھر ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء سے شروع ہو کر نہ جانے کب تک جاری رہا)۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

اخبار "تاجر" کے اِجرا کے وقت مولانا خجندؔی کی درست عمر:

اخبار "تاجر" کے متعلّق، جناب امداد صابری لکھتے ہیں:

"مولانا خجندؔی صاحب نے ۲۵ر سال کی عمر میں میرٹھ سے ایک ہفتہ وار اخبار 'تاجر' شائع کیا۔ اس اخبار کا دفتر سیٹ بازار میں تھا۔ اس اخبار کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

تاجروں کا کُل جہاں میں راج ہے — دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے"[42]

"تذکرہ شعراءِ حجاز" کے اِس اقتباس سے معلوم ہوا کہ "تاجر" ایک ہفتہ وار اخبار تھا۔ ہم یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جناب امداد صابری صاحب کا "تاجر" اخبار کی اشاعت کے وقت مولانا خجندؔی کی عمر ۲۵ر سال لکھنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ مذکورہ اخبار مولانا خجندؔی نے ۱۹۱۰ء میں جاری کیا تھا اور آپ کی ولادت ۱۸۸۸ء میں ہوئی۔ ان دونوں باتوں کے حوالے ہم اپنے اپنے مقام پر ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی سے دے چکے ہیں۔ اس اعتبار سے "تاجر" کی اشاعت کے وقت مولانا خجندؔی کی عمر ۲۲ر سال تھی اور جب ۱۹۱۴ء میں اخبار "تاجر" بند ہوا، تو اُس وقت آپ کی عمر شریف ۲۶ر سال تھی۔

42 "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص ۳۸۸۔

"الفقیہ" امر تسر میں اخبار "غیبی گولہ" کا ذکر:

ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امر تسر کے ایک شمارے میں ایک استفتا شامل ہے، جس کا جواب حضرت علامہ مولانا محمد حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا۔ اس اِستفتا کے شروع میں یہ عبارت درج ہے:

"مرسلہ شہزادہ مرزا سلیمان شاہ صاحب، بذریعہ اخبار غیبی گولہ۔"[43]

نوٹ: غالب گمان یہی ہے کہ اخبار "غیبی گولہ" بھی بمبئی ہی سے نکلتا ہو گا۔

ماہ نامہ شاہ راہ، بمبئی:

مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں اور مبلّغِ اعظمِ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ صادق جناب محمد فصیح الزّماں صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ ادارت ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی سے نکلتا تھا۔ ہمارے پاس اِس کا جو پہلا شمارہ ہے، وہ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ کا ہے، جس پر جلد نمبر اوّل اور شمارہ نمبر سوم درج ہے؛ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ماہ نامہ شوّال المکرّم ۱۳۵۵ھ میں جاری ہوا۔ یہ ماہ نامہ کب تک جاری رہا، اِس بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں۔ یہ رسالہ بالکل مفت تقسیم ہوتا تھا، صرف ڈاک خرچ (Postage) کے طور پر اس کا سالانہ چندہ اندرونِ مُلک سے چار آنے اور بیرونِ ممالک سے ایک شلنگ تھا۔ اس کے دفتر کا پتا یہ تھا:

"دفتر، ماہ نامہ شاہ راہ بمبئی، نزد مسجد مولوی خیر الدین، لال باغ، پریل روڈ، بمبئی نمبر ۱۲۔"

43 ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امر تسر، پیر، ۷ر ستمبر ۱۹۲۵ء / ۱۴ر صفر ۱۳۴۴ھ، صفحہ ۱۲۔

ہفتہ وار اخبار ”راہ نما“ بمبئ:

ماہ نامہ ”شاہ راہ“ بمبئ، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ کے سرورق (Main Title) اور ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ کے پشت ورق (Back Title) پر ایک اشتہار شایع ہوا، جس کی رو سے مولانا نذیر احمد خجندیؔ کی زیرِ سرپرستی، منشی سیّد ممتاز علی صاحب اثر دہلوی کی ادارت میں، بہ اہتمامِ مسٹر احمد عبد القادر صاحب یکتا دہلوی، ماہِ جولائی ۱۹۳۷ء کے دوسرے ہفتے سے ہر اتوار کی صبح عروس البلاد بمبئ سے دینی، سیاسی، ادبی اور تجارتی معلومات پر مشتمل ایک ہفتہ وار اخبار ”راہ نما“ شائع ہوا کرے گا، جس کی سالانہ قیمت اہلِ ہند سے چار روپے، ممالکِ غیر سے سات شلنگ، اور فی پرچہ ایک آنہ ہوگی۔ اشتہار میں اس کے دفتر کا پتا یوں درج ہے:

”’راہ نما‘، لال باغ، بمبئ نمبر ۱۲“۔

حاصلِ کلام:

مندرجۂ بالا تفصیلی گفتگو کی روشنی میں اب تک ہمیں یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ ؒ نے حسبِ ذیل پانچ اخبار جاری کیے، جو خود اُنھی کی زیرِ اِدارت شایع ہوتے تھے:

(۱) ہفتہ وار (ہفت روزہ) اخبار ”تاجر“، میرٹھ: ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک جاری رہا۔

(۲) ہفتہ وار اخبار ”شوکت“، بمبئ: ۱۹۲۳ء کے آخر یا ۱۹۲۴ء کے شروع میں جاری ہو کر، ۱۹۲۴ء ہی میں بند ہُوا، یا پھر اللہ جانے کب تک جاری رہا۔

(۳) اخبار ”غالب“، بمبئ: ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۸ء تک جاری رہا۔ یہ کتنے دن میں نکلتا تھا معلوم نہیں۔

(۴) اخبار ”غیبی گولہ“، بمبئ: ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۸ء تک جاری رہا۔ یہ کتنے دن میں شایع ہوتا تھا، معلوم نہیں۔

(۵) روزنامہ ”نادر“، بمبئ: ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۱ء تک جاری رہا۔

اور

مندرجۂ ذیل ایک یا دو (۲) رسائل، حضرت مولانا خجندیؔ کی سرپرستی میں شایع ہوتے تھے:

(۱) ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئ: شوّال المکرّم ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء کو حضرت جناب محمد فصیح الزّماں صدّیقی ؒ کی زیرِ اِدارت جاری ہُوا، لیکن کب تک جاری رہا، یہ معلوم نہیں ہو سکا۔

(۲) ہفتہ وار ”راہ نما“، بمبئ: ماہ نامہ ”شاہ راہ“ بمبئ، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ میں شایع شدہ ایک اشتہار میں ہے کہ مولانا نذیر احمد خجندیؔ ؒ کی سرپرستی اور منشی سیّد ممتاز علی صاحب اثر دہلوی کی اِدارت میں ماہِ جولائی ۱۹۳۷ء کے دوسرے ہفتے سے ہر اتوار کی صبح عروس البلاد بمبئ سے ایک ہفتہ وار اخبار ”راہ نما“ شائع ہوا کرے گا۔ اب یہ شایع ہُوا یا نہیں؛ یا شایع ہو کر کب تک جاری رہا، کچھ پتا نہیں۔

ماہ نامہ ”شاہ راہ“ کی نکاسی لیے مولانا خجندیؔ کی تجاویز:

”ناظرین سے دو دو باتیں خاص توجّہ کے قابل“ کے عنوان سے ماہ نامہ ”شاہ راہ“ کے اداریے میں ہے کہ:

”حضرت مولانا نذیر احمد صاحب خجندیؔ کے دیرینہ تجربے سے، جو ۲۷/ سال سے اخباری دنیا کے نشیب و فراز کو بغور ملاحظہ فرما رہے ہیں، ہم نے ماہ نامہ شاہ راہ جاری کیا۔

---مولانا کی ایجاد کردہ جدید تجویز یہ ہے کہ محصول ڈاک کے نام سے جو حضرات چار آنہ سال بھر کے لیے پیشگی جمع کر کے ناظرین کی کتاب میں اپنا نام درج کرالیں گے، ہم ماہ بہ ماہ اُن کو اخبار بھیجتے رہیں گے۔---حضرت مولانا کی تازہ تجویز یہ ہے کہ ہم ناظرینِ شاہ راہ کو اس پر توجّہ دلائیں کہ:

(الف) جب کہ حقیقتاً شاہ راہ بالکل مفت اُن کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔

(ب) جب کہ وہ دینی و ادبی ذخیرہ معقول طور پر پیش کر رہا ہے۔

(ج) جب کہ اس کے مضامین، اس کا انتخابی کام، اس کے افسانے آپ کی کششِ دل کا موجب بن رہے ہیں۔

(د) جب کہ فرصت کے لمحوں میں وہ آپ کا دل چسپ رفیق و ہمدم ثابت ہو رہا ہے، تو کم از کم آپ اس کی خاطر اتنی تکلیف گوارا کیجیے کہ:

آپ اپنے عزیزوں و دوستوں میں سے صرف چار حضرات کو شاہ راہ کے ناظرین میں شامل ہونے کے لیے آمادہ کیجیے۔ ان سے چار چار آنے وصول کر کے اُسی میں سے دو آنے منی آرڈر کی فیس دے کر چودہ آنے ہمارے پاس بھیج دیجیے۔"[44]

اخبار "غالب"، بمبئی میں مولانا خجندیؔ کا تردیدی بیان:

مولانا نذیر احمد خجندیؔ نے اپنے جاری کردہ اخبار "غالب" بمبئی میں ایک اَفواہ کے خلاف اپنا ایک تردیدی بیان شایع کیا۔ قبل اس کے کہ چند سطور کے بعد ہم وہ تردیدی بیان نقل کریں، ہم اس افواہ کی مندرجۂ ذیل کچھ تفصیل ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

---

44 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۱ تا ۲، مُلَخَّصًا۔

مولانا خجندیؔ اور محدّثِ علی پوری پر حملہ (ایک جھوٹی خبر):

سَنُوْسِیِّ ہند شیخ العرب والعجم امیر ملّت حضرت مولانا پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب محدّثِ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ جب بمبئی کے دورے پر تشریف لے گئے تو کچھ شر پسند عناصر و بعض اخبارات ("خلافت"، بمبئی وغیرہ) نے حضرت محدّثِ علی پوری اور حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ پر حملے کی ایک جھوٹی خبر (اَفواہ) پھیلا دی، جس سے ان دونوں حضرات کے بعض معتقدین و احباب نے اِس افواہ کو سچ سمجھ لیا اور تشویش اور غم و غصّہ کی ایک عجیب لہر سی دوڑ گئی، یہاں تک کہ ہفتہ وار اخبار "الفقیہ" امرت سر، جو حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین نکالتے تھے، نے بھی غلط فہمی کا شکار ہو کر پیر صاحب کے حوالے سے یہ خبر اِن الفاظ میں شایع کر دی:

"یارانِ طریقت کو اطّلاع

اعلیٰ حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین عالی جناب حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ پیر جماعت علی شاہ صاحب قبلہ محدّثِ علی پوری دامت برکاتھم و فیوضھم بمبئی میں رونق افروز ہیں۔ شیاطینِ نجد کے ایجنٹوں کی طرف سے اُن پر حملہ کیا گیا، مگر خداوندِ کریم کے فضل و کرم سے آپ مامون و مصئون رہے۔ الحمد للہ!"[45]

حضرت محدّثِ علی پوری کی طرف سے تردید:

لیکن پھر جلد ہی درست صورتِ حال سامنے آگئی۔ چنانچہ "الفقیہ" کے ایڈیٹر جناب مولانا حکیم معراج الدین احمد نقشبندی صاحب (مریدِ خاصِ حضرت محدّثِ

---

45 ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امرت سر، پنجاب، انڈیا، ۷/ ستمبر ۱۹۲۵ء مطابق ۱۴/ صفر المظفر ۱۳۴۴ھ، یوم دوشنبہ (پیر)، ص ۱، بیرونی سرورق۔

علی پوری رحمۃ اللہ علیہ) صاحب کو فضلِ دین صاحب نے مندرجۂ ذیل ایک خط لکھا، جو "الفقیہ" میں اِشاعت پذیر ہُوا:

"مکرّمی مولوی معراج الدین صاحب! السلام علیکم!

اخبارات میں جو غلط خبر بمبئی میں حضرت صاحب قبلہ پر حملے کی چھپی ہے، ہم نے تار کے ذریعے دریافت کیا۔ حضرت صاحب کا تار آیا ہے کہ:

'الحمد للہ! ہم بالکل خیریت سے ہیں۔ افواہ غلط ہے۔'

بابو میر الدین صاحب کو تار آیا ہے کہ:

'ہم بخیریت ہیں اور حیدر آباد جا رہے ہیں۔'

(خاکسار فضلِ دین)"[46]

مولانا خجندؔی کا تردیدی بیان:

ہفتہ وار اخبار "الفقیہ" ہی نے مولانا نذیر احمد خجندؔی کا حسبِ ذیل ایک تردیدی بیان بھی نقل کیا، جو حضرت خجندؔی نے اپنے ہی جاری کردہ اخبار "غالب"، بمبئی، میں شایع کیا تھا:

"خلافت اخبار نے یہ بالکل جھوٹ لکھا ہے کہ خجندی اور حضرت مولانا پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب کو مدن پورہ والوں نے مارا پیٹا، یا اُن کے کوئی چوٹ آئی۔

ہم دونوں بفضلِ الٰہی تن درست ہیں اور بعافیت ہیں؛ جن حضرات نے ہماری ہمدردی میں، نیز خیریت دریافت کرنے کو خطوط و تار بھیجے۔ اُن کا شکریہ۔

[46] ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امرت سر، پنجاب، انڈیا، ۱۴؍ ستمبر ۱۹۲۵ء / ۲۱؍ صفر المظفّر ۱۳۴۴ھ، یومِ دوشنبہ (پیر)، ص ۱، بیرونی سرورق۔

ہم جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجتے ہیں۔

خدا ان ظالم نجدی پرستوں کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ پیر صاحب قبلۂ عالَم مدّ ظلّہٗ بخیریت شبِ شنبہ ستمبر کو حیدر آباد دکن روانہ ہو گئے ہیں۔ (غالب)"[47]

"غالب"، بمبئی اور ہفت روزہ "الفقیہ"، امر تسر کو خراجِ تحسین:

۲۴؍ مئی ۱۹۲۵ء کو انجمن حزب الاحناف، لاہور کے زیرِ اہتمام ایک جلسۂ عام کا انعقاد کیا گیا، جس کی روداد (رپورٹ) انجمن حزب الاحناف کے اُس وقت کے نائب صدر، حضرت ابو البرکات علّامہ مولانا سیّد احمد قادری رضوی اشرفی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہما) نے قلم بند کی، جو "الفقیہ"، امر تسر میں شایع ہوئی۔

چنانچہ حضرت علّامہ ابو البرکات اِس رپورٹ کا آغاز یوں فرماتے ہیں:

"۲۴؍ مئی ۲۵ء کو انجمن حزب الاحناف لاہور کے جلسۂ عام میں حاضرین کی تعداد تقریباً بیس ہزار اور علمائے کرام و مشائخِ عظام حرمین شریفین، پنجاب، سندھ، کراچی، راج پوتانہ، گجرات، بہار، یو۔ پی کے تقریباً ایک سو تشریف فرما تھے، جن میں سے چند خاص بزرگوں کے اَسما ذیل میں درج ہیں:

(۱) حضرت مولانا مولوی سیّد حافظ پیر جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری، (۲) حضرت مولانا مولوی سیّد شاہ علی حسین صاحب (زیبِ سجّادہ کچھوچھہ شریف)، (۳) حضرت مولانا مولوی شاہ حامد رضا خاں صاحب (زیبِ سجادہ رضویہ بریلی شریف)، (۴) حضرت مولانا مولوی سیّد شاہ حکیم حافظ محمد نعیم الدین صاحب (ناظم جمعیۃ العالیہ سُنّی کانفرنس، مراد آباد)، (۵)، حضرت مولانا مولوی شاہ

[47] ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امرت سر، پنجاب، انڈیا، ۱۴؍ ستمبر ۱۹۲۵ء / ۲۱؍ صفر المظفّر ۱۳۴۴ھ، یومِ دوشنبہ (پیر)، ص ۱، بیرونی سرورق۔

محمد۔۔۔ حسین صاحب (زیبِ مَسندِ اِرشادیہ، رام پور)، (۶) حضرت مولانا مولوی حاجی مشتاق احمد صاحب (۔۔۔ مدرسۂ صولتیہ، مکّہ معظّمہ)، (۷) حضرت مولانا مولوی حاجی ابو العلا محمد امجد علی صاحب (صدر المدرّسین دار العلوم اجمیر شریف)، (۸) حضرت مولانا مولوی حافظ قاری ابو الحسنات حکیم محمد احمد صاحب اَلوری، (۹) حضرت مولانا مولوی محمد یار صاحب بہاول پوری، (۱۰) حضرت مولانا مولوی محمد عبد الکریم صاحب درس، کراچی، (۱۱) حضرت مولانا مولوی احمد حسین صاحب اجمیری، (۱۲) حضرت مولانا مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی، (۱۳) حضرت مولانا مولوی ابو الفتح محمد حشمت علی صاحب (مُناظرِ جماعتِ رضائے مصطفیٰ بریلی شریف)، (۱۴) حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب محمود آبادی، (۱۵) حضرت مولانا مولوی نظام الدین صاحب ملتانی۔

زیر صدارت حضرت حامیِ سنّت، ماحیِ بدعت مولانا مولوی سیّد پیر جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری مندرجۂ ذیل تجاویز باتّفاقِ آرا پاس ہوئیں۔"[48]

اِس کے بعد حضرت علّامہ سیّد ابو البرکات صاحب نے سات (۷) تجاویز درج فرمائیں ہیں، جن میں سے تجویز نمبر (۳) میں "الفقیہ" امرتسر اور "غالب" بمبئ اور ان دونوں کے ایڈیٹرز صاحبان مولانا حکیم معراج الدین احمد نقشبندی اور مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہما کو حسبِ ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا:

'یہ جلسہ اخبار الفقیہ امرتسر اور غالب بمبئ کی اُن خدمات کا اعتراف کرتا ہے جو مَکائدِ نجدیہ کے اظہار میں اُنھوں نے انجام دیں، بالخصوص ان کے ایڈیٹرز صاحبان نے نجدی پروپیگنڈا پھیلانے والوں کی بیخ کنی اور پردہ فاش کر کے

48 ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، ۷؍جون ۱۹۲۵ء، صفحہ ۱۰تا۱۱۔

اصل واقعات اور صحیح حالات سے قوم کو مطّلع کرنے پر کمرِ ہمّت باندھی ہے، اس کو اعتماد کی نظر سے دیکھتا ہے اور اہلِ سنّت وجماعت کا صحیح نمائندہ یقین کرتا ہے، اور دست بہ دعا ہے کہ مولا تعالیٰ ان کو دشمنانِ مذہب وملّت پر غالب رکھے۔ آمین۔'

(ابو البرکات سیّد احمد قادری رضوی الوری
نائب صدر انجمن حزب الاحناف لاہور)"[49]

کتابت کی اَغلاط سے متعلّق
مولانا سیّد غلام بھیک نیرنگ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوبِ گرامی
بنام حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ:

ذیل میں ہم ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئ کے ادارتی نوٹ کے ساتھ، حضرت علامہ مولانا سیّد غلام بھیک نیرنگ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوبِ گرامی ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں، جو اُنھوں نے حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کو ماہ نامہ "شاہ راہ" میں موجود کتابت کی چند اَغلاط کی نشان دِہی کے لیے لکھا تھا:

"ماہِ ربیع الاوّل ۱۳۵۶ ہجری کے شاہ راہ میں کاتب صاحب نے جو غلطیاں کی ہیں، اُن کے متعلّق ذیل میں حضرت محترم سیّد غلام بھیک صاحب نیرنگ کے والانامے کی نقل دی جارہی ہے، جو مولانا خجندیؔ صاحب کے نام اُنھوں نے لکھا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم وہ خط پیش کریں، یہ بتادینا ضروری ہے کہ ان غلطیوں کے دو سبب ہیں:

(۱) منشی عبد الرحیم صاحب کاتب خوش نویس تو ہیں، مگر یک سوئی سے محروم ہیں۔

(۲) عیدِ میلاد کے کاموں کی کثرت کی وجہ سے انھوں نے تصحیح شدہ کاپیوں کی

49 ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، اتوار، ۷؍جون ۱۹۲۵ء / ۱۴؍ذی قعد ۱۳۴۳ھ، صفحہ ۱۱۔

درستی کی طرف التفات بھی نہیں فرمایا۔

ہم اپنی مشغولیتوں کے سبب مزید نگرانی سے مجبور رہے۔ (ادارہ)

خط / مکتوبِ گرامی

حضرت مولانا خجندؔی صاحب! سلامِ مسنون!

شاہ راہ کا تازہ پرچہ دیکھا، حضور کو ایجنٹوں کی بجا شکایت ہے، مگر پڑھنے والے حضور (مولانا خجندی) کے نہایت خوش قلم کاتب کی شکایت کا حق رکھتے ہیں۔ شاید پروف خواں صاحب سے بھی شکوہ سنجی کی اجازت ہو سکے، مثالیں ملاحظہ ہوں:

صفحہ ۲: درماہ — بجائے — درماں

حضور کی مترجمہ رُباعیِ عمر خیام کا خون کیا گیا۔ الغیاث! الغیاث!

صفحہ ۳: خاکِ پاپا — مصطفیٰ — بجائے — خاکِ پا — یا مصطفیٰ

صفحہ ۳: کُھلے یہ غنچۂ خاطر — بجائے — کِھلے یہ غنچۂ خاطر

(حضور سے بڑھ کر حضور کے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں تصرفِ بے جا کیا گیا۔)

صفحہ ۴: بے کس بھی — بجائے — بے کسی کی بھی

صفحہ ۴: دور اُفتادہ — بجائے — دور او فتادہ

صفحہ ۴: طبیب جاں ایماں — بجائے — طبیبِ جان و ایماں

صفحہ ۱۶: بولیاں — بجائے — سولیاں

صفحہ ۱۸: شگفت ساز — بجائے — شکستِ ساز

فرمائیے تو پڑھنے والوں کا ایک وفد جنابِ کاتب و پروف خواں کی خدمت میں

حاضر کیا جائے؟

زیادہ نیاز والسلام

بندہ غلام بھیک نیرنگ

حضورِ والا کی ناراضی کے اثر سے اُس کاتب کو خدمتِ کتابتِ شاہ راہ سے سبک دوش کر دیا گیا ہے۔ اب اِن شاء اللہ جنابِ والا اور ناظرین کو شکایت نہ ہو گی۔"[50]

◇ ◇ ◇ ◇ ◇ ◇ ◇

مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ ماجد حضرت علامہ شاہ محمد عبد الحکیم جوؔش و حکیمؔ صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت شریف سے تین اشعار (ایک مطلع اور دو مقطع):

الٰہی! نعتِ احمد سے بیاں شیریں زباں تر ہو
سخن مقبول و تکرارِ سخن قندِ مکرر ہو

حکیمؔ شیفتہ دردِ جدائی سے تڑپتا ہے
کرم فرما رسول اللہ! کرم فرما کہ جاں بر ہو

خدا وندا! بحقِ شاہِ بطحا احمدِ مرسل
دمِ آخر زبانِ جوؔش پر اللہ اکبر ہو

(ماہ نامہ "شاہ راہ بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۳)

---

[50] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ء، صفحہ ۲۴۔

ساتواں باب:

خجندی برادران کی قومی، ملّی اور سیاسی خدمات

حضرت مولانا نذیر احمد خجندی صدّیقی اور آپ کے برادرِ اکبر حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی خجندی اور برادرِ اصغر مبلّغِ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی کو ”خجندی برادران“ سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ ملکی اور قومی معاملات سے خُجندی برادران کو بڑا گہرا لگاؤ تھا۔ ذیل میں ہم اس حوالے سے کچھ تاریخی حقائق ہدیۂ قارئین کریں گے، جو اِن حضرات کی قومی، ملّی اور سیاسی خدمات سے پردہ اُٹھائیں گے۔

جمعیۃ العلما، بمبئی کی نظامت:

جناب امداد صابری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”آپ (مولانا خجندی) عرصے تک بمبئی کی جمعیۃ العلما کے ناظم رہے۔“[51]

خجندی برادران کا قید وبند کی صعوبتیں اُٹھانا:

موتمر جمعیت علمائے پاکستان، کراچی (منعقدہ ۲۱ تا ۲۲ ذیقعد ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۵ر تا ۲۶ر اگست ۱۹۵۱ء بمقام آرام باغ، کراچی) کے خطبۂ صدارت بہ عنوان ”صوت الحق“ میں علمائے ہند و پاکستان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے، مبلغِ اعظمِ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی مدنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کیا دنیائے برِّ صغیر ہند و پاکستان بھول سکتی ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

51 ”تذکرہ شعراءِ حجاز“، صفحہ ۳۸۹۔

میں علماءِ اسلام نے کس گرم جوشی سے حصّہ لیا اور اس راہ میں بہت سوں نے جامِ شہادت پیا۔

۱۹۱۸ء میں جب دوسرے عنوان پر جنگِ آزادی کا آغاز کیا گیا اور بالآخر جس کا پہلا شاہ کار تاسیسِ پاکستان کی شکل میں نمودار ہوا، یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس کا سنگِ بنیاد عالمِ اسلام کے مایہ ناز عالمِ دینِ متین حضرت مولانا شاہ عبد الباری فرنگی محلّی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ اقدس ہی سے رکھا۔ اس جنگ کی قربان گاہ پر سب سے پہلے جس نے قدم بڑھایا اور قید و بند کے مصائب کا مقابلہ کیا وہ صوفیائے عظام ہی کی صف کے ایک نبرد آزما دائرۂ شاہ اجمل الہ آباد کے سجادہ نشین حضرت شاہ محمد فاخر ہی تھے۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا نثار احمد کانپوری اِس کراچی ہی کی جیل میں مولانا محمد علی و شوکت علی صاحبان کے ساتھ گرفتارِ مصائب رہے اور میرے دو بڑے بھائی حضرت قبلہ مولانا احمد مختار صدّیقی و خطیب العلما مولانا نذیر احمد خجندی، نیز دیگر کثیر التعداد علما و صوفیا مدّتوں قید و بند کی مصیبتیں اُٹھاتے رہے۔“[52]

تحریکِ خلافت:

قائدِ اہلِ سنّت، قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علامہ امام شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

”تحریکِ خلافت کے دوران میرے والدِ ماجد (شاہ عبد العلیم صدّیقی) تقریباً ایک ماہ بمبئی کے قریب ایک شہر پونا کی جیل میں قید رہے ہیں۔۔۔ تحریکِ خلافت میں تایا ابّا مولانا احمد مختار صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ، والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ اور تایا ابّا مولانا نذیر احمد خجندی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ تینوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی

52 ”صوت الحق“، ص25۔

سے مولانا نذیر احمد خجندیؔ کے تعلّقات تھے، خاص طور سے مولانا شوکت علی بمبئی میں رہتے تھے اور تحریکِ خلافت کا جو مرکزی دفتر تھا، وہ بمبئی ہی میں تھا، وہاں تایا ابّا نذیر احمد خجندیؔ صاحب کے اُن سے بڑے خصوصی مراسم تھے۔"[53]

جناب اِمداد صابری صاحب، مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے، لکھتے ہیں:

"جوانی کا ابتدائی حصّہ میرٹھ میں گزارا، سیاسی تحریکوں میں حصّہ لینے کی ابتدا یہیں سے کی۔ میرٹھ خلافت کی تحریک میں پہلی سزا میرٹھ میں پائی۔ اس سزا کی خبر مُراد آباد کے اخبار 'رہ نُما' میں ۱۴/ اگست ۱۹۲۱ء کے شمارے میں چھپی:

'میرٹھ: مولانا نذیر احمد خجندیؔ کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۲۴/ تعزیراتِ ہند کے ماتحت ۳/ ماہ قیدِ بامشقّت کی سزا دی، عدالت کے سامنے لوگ معقول تعداد میں جمع تھے، جن کو مولانا نے نصیحت کی وہ ان کی تقلید میں جیل خانے چلے جائیں اور بیرونی کپڑا استعمال کرنا ترک کر دیں۔ مولانا کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے اور ہزارہا آدمی ان کو جیل تک رخصت کرنے کے لیے گئے۔ مولانا شوکت علی، جو بعجلت میرٹھ آئے تھے چند منٹ کے لیے عدالت میں تشریف لے گئے، جہاں مولانا خجندیؔ سے مل کر رخصت ہو گئے۔'

مولانا نے خلافت کی تحریکوں میں دل کھول کر حصّہ لیا۔ ایک مرتبہ جب آپ جیل سے رہا ہو کر آئے، اور بڑی مؤثّر اور عالمانہ تقریر کی؛ تو لوگوں نے آپ کی تقریر سے متاثّر ہو کر اسی اجتماع میں 'خطیب العلما' کا خطاب دیا۔"[54]

---

[53] مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء، ویڈیو کیسٹ۔

[54] "تذکرہ شعراءِ حجاز"، صفحہ ۳۸۹۔

خواجہ رضی حیدر اپنی تصنیف "رتّی جناح" کے انگریزی ترجمے میں لکھتے ہیں:

"Maulana Nazeer Ahmad Khujandi was a renowned *alim* and performed *Imamat* at the Jamia Masjid in Bombay. He also took an active part in Indian politics. He was, from the veri beginning, a member of the All-India Muslim League. He also took part in the Khilafat Movement and had spent time behind bars. He was not only a good orator but also a journalist."[55]

جناب خواجہ رضی حیدر صاحب رقم طراز ہیں:

"(مولانا نذیر احمد خجندیؔ) تحریکِ خلافت کے پُر جوش رہ نما تھے اور اِس ضمن میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ ناگ پور منعقدہ ۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت کے ایک وفد کے ساتھ شریک ہوئے۔"[56]

مذکورۂ بالا اقتباس میں، خواجہ رضی حیدر صاحب نے جس سالانہ جلسے کا ذکر کیا ہے، وہ آل انڈیا مسلم لیگ کا تیرھواں سالانہ اجلاس (Annual Session) تھا، جو ۳۰/ تا ۳۱/ دسمبر ۱۹۲۰ء کو انعقاد پزیر ہوا، جس میں متعدّد قراردادیں (Resolutions) پاس ہوئیں۔ ذیل میں ہم اُس اجلاس کی گیارھویں قرارداد جناب سیّد شریف الدین پیر زادہ صاحب کی کتاب سے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ واضح رہے

---

[55] *"Ruttie Jinnah"*, Notes, p. 31.

[56] "رتّی جناح"، صفحہ ۴۹۔

کہ یہ وہ قرارداد ہے جسے ابو الکلام آزاد نے پیش کیا تھا، اور جناب خلیق الزماں صاحب نے اُس کی تائید اور حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ نے حمایت کی تھی:

“XI. In view of the fact that the Indian Congress, the All-India Muslim League, the Sikh League, the Khilafat Conference, and other public bodies have declared their determination to attain Swaraj, and in view of the fact that the alliance of neighbouring states with Great Britain is conceived, not as a plan for the protection of Indians, but for strengthening the British hold on India, and in view of the fact that Indians have no quarrel with Afghanistan, and inasmuch as Great Britain has been able, mainly through her Empire in India, to distrupt the dominions of the Khilafat, the All-India Muslim League begs respectfully to advise His Majesty Ghazi Amir Aman Ullah Khan, the independent ruler of Afghanistan, to reject any advance in the part of the Government of India for a treaty of alliance with Great Britain.

Further, in view of the further fact that this League is confident that neither the Afghan nation nor their Government has any designs on the independent

existence of the people of India, this League hopes that both the nations will cultivate friendly relations between themselves and learn to rely upon each other’s goodwill. (Proposed by Moulana Abul Kalam Azad, seconded by Mr. Khaliquzzaman, and supported by Moulvi Nazir Ahmad Khojandi.)”[57]

خجندی برادران اور خانقاہِ قادریہ بدایوں کی مشترکہ سیاسی و ملّی خدمات:

شہیدِ اہلِ سنّت حضرت علامہ مولانا اُسَید الحق محمد عاصم قادری (نبیرۂ تاج الفحول محبِّ رسول حضرت علامہ شاہ عبد القادر بدایونی رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالٰی) نے ”خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ: تعلّقات و روابط“ کے عنوان سے ایک بڑا عمدہ اور معلومات افزا مضمون لکھا، جو ماہ نامہ ”جامِ نور دہلی“ اکتوبر ۲۰۱۲ء اور جنوری ۲۰۱۳ء کے شماروں میں دو قسطوں میں شایع ہوا۔ اس مضمون میں خانوادۂ قادریہ بدایوں کے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبد الماجد قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء، وفات: ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء) (نبیرۂ سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی رضی اللہ عنہ)، حضرت مولانا مفتی عبد القدیر قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۱ر شوّال المکرّم ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء، وفات: ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء)، اور مجاہدِ آزادی حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء، وفات: ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء)؛ اور خانوادۂ علیمیہ کے بزرگوں میں سے حضرت مبلّغِ اسلام مولانا

---

[57] *“Foundations of Pakistan”*, Volume 1, page 555.

شاہ عبد العلیم صدّیقی میر ٹھی رحمۃ اللہ علیہ، اور اُن کے برادرانِ گرامی حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدّیقی میر ٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ اور مبلغِ اسلام (اُسید الحق صاحب کے مضمون میں مبلّغِ اسلام سے مراد حضرت سیّدی شاہ عبد العلیم صدّیقی ہیں) کے فرزندانِ گرامی قائدِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد جیلانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

نوٹ: خانوادۂ قادریہ بدایوں کو خانوادۂ عثمانیہ بدایوں بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس خانوادے کے افراد حضرت عثمان غنی بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (خلیفۂ رسول اللہ ﷺ) کی اولاد سے ہیں۔

ذیل میں، ہم متذکّرۂ بالا مضمون کی پہلی قسط میں سے ایک طویل اقتباس ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں، جس سے خانوادۂ قادریہ بدایوں کی مذکورۂ بالا تینوں شخصیات اور خجندؔی برادران (یعنی خانوادۂ علیمیہ کی اوّل الذکر تین شخصیات) کی قومی، ملّی اور سیاسی خدمات میں سے کچھ سامنے آئیں گی؛ جسے پورا مضمون دیکھنا ہو، وہ "جامِ نور دہلی" کے مذکورۂ بالا دونوں شمارے ملاحظہ کرے۔

چنانچہ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"خانوادۂ قادریہ کے مذکورہ تینوں اکابر (حضرت مولانا عبد الماجد قادری بدایونی، حضرت مولانا مفتی عبد القدیر قادری بدایونی اور حضرت مولانا عبد الحامد قادری بدایونی) گہرے علمی رسوخ کے علاوہ ملّی اور سیاسی بصیرت بھی رکھتے تھے، ساتھ ہی ان کے دلوں میں ملّتِ اسلامیہ ہند کا درد، ملّت کے مستقبل کی فکر اور اُمّتِ اسلامیہ کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کا جذبہ بھی تھا، جس کے نتیجے میں یہ حضرات قومی، ملکی اور سیاسی حالات کے سامنے محض خاموش تماشائی بننے کی بجائے آگے بڑھ کر ملّت کی قومی اور سیاسی خدمت کے لیے میدانِ عمل میں اُتر آئے، ادھر مبلغِ اسلام (حضرت شاہ عبد

العلیم صدّیقی) اور آپ کے برادرانِ گرامی (حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی اور مولانا نذیر احمد خجندیؔ) بھی ان تمام اوصاف کے بدرجۂ اَتم حامل تھے۔ ملّت کی سیاسی زبوں حالی کا درد اور ہندی مسلمانوں کے روشن مستقبل کا خواب ان حضرات کو ذہنی و فکری طور پر اتنا قریب لے آیا کہ بیسویں صدی کے نصفِ اوّل کی جس ملّی و سیاسی تحریک میں ہم مذکورہ اکابرِ بدایوں کو سرگرمِ جہاد دیکھتے ہیں، وہیں مبلغِ اسلام اور اُن کے برادرانِ گرامی بھی اُن تحریکوں میں نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔۔

تحریکِ خلافت کی متّحدہ جدّوجہد: تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے جواز و عدمِ جواز سے قطع نظر، اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ برِّ صغیر کی مسلم سیاست میں ان دونوں تحریکوں نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ ان تحریکوں کے اثرات نے اسلامیانِ ہند کو سیاسی طور پر بیدار کیا اور ان کو جدّو جہدِ آزادی کے قومی دھارے میں شامل کیا، خانوادۂ قادریہ بدایوں کی سابق الذکر تینوں شخصیات نے ان تحریکوں میں نمایاں حصّہ لیا اور ان کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ مبلّغِ اسلام اور آپ کے برادرانِ گرامی مولانا احمد مختار میر ٹھی (وفات: ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء) اور مولانا نذیر احمد خجندی (وفات: ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) (نوٹ: یہ سالِ وفات درست نہیں ہے، اس پر ہم نے اِسی کتاب میں بحث کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ ندیم) بھی امامِ وقت مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اور خانوادۂ قادریہ کے ان اکابر کے شانہ بہ شانہ ان دونوں تحریکوں میں شامل رہے اور قوم و ملّت کی عظیم الشّان خدمات انجام دیں۔ پروفیسر مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں:

خدمتِ اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا (عبد العلیم) میر ٹھی علیہ

الرحمہ نے سیاسیات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات میں شریک رہے۔ (تقدیم، 'مبلغِ اسلام علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی قادری'، خلیل احمد رانا، ص۸، کراچی، ۱۹۹۴ء)

تحریکِ خلافت میں سرگرم حصّہ لینے کے ساتھ ساتھ خانوادۂ علیمیہ کے اَفراد نے تحریکِ خلافت کے لیے سرمایے کی فراہمی کی خاطر جدّ وجہد بھی کی، مولانا محمود احمد رفاقتی نے لکھاہے:

آپ (مولانا شاہ احمد مختار صدّیقی) نے اور آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں مولانا نذیر احمد خجندی اور مولانا شاہ عبد العلیم نے ۱۹۲۱ء میں مرکزی خلافت فنڈ میں تین لاکھ کا چندہ جمع کیا۔ (تذکرہ علمائے اہلِ سنّت: محمود احمد رفاقتی، ص ۳۲، خانقاہِ قادریہ اشرفیہ بھوانی پور، مظفّرپور، بہار، ۱۳۹۱ھ)

خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف میں تحریکِ خلافت کے سلسلے میں نمایاں خدمات حضرت مولانا عبد الماجد قادری بدایونی کی ہیں، آپ رکنِ مرکزی مجلسِ خلافت، صدر مجلسِ خلافت صوبۂ متّحدہ، رکنِ وفدِ خلافت برائے حجاز، اور صدرِ خلافتی تحقیقاتی کمیشن مقرّر کیے گئے، اس کے علاوہ کئی مقامات کی خلافت کانفرنس آپ کی زیرِ صدارت منعقد کی گئیں۔ خلافت کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ نے مُلک گیر دورہ کیا اور خلافت کے موضوع پر کم وبیش ۵ر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ شوّال ۱۳۳۹ھ / جون ۱۹۲۱ء میں آپ نے خلافت کانفرنس کے سلسلے میں بہار، بنگال اور کرناٹک کا طویل دورہ کیا، اس دورے کی تفصیلات آپ نے اپنے سفرنامے 'المکتوب' میں درج کی ہیں۔ یہ سفرنامہ 'المکتوب' کے نام سے ۴۶ر صفحات پر مشتمل ہے، جس کو منشی مشتاق احمد (ناظم قومی دار الاشاعت، میرٹھ) نے میرٹھ سے ۱۹۲۱ء میں شائع کیا۔ اِس سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ر جون ۱۹۲۱ء کو بلگام (کرناٹک) میں مولانا عبد الماجد بدایونی کی زیرِ صدارت

خلافت کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کے ساتھ مبلغِ اسلام مولانا عبد العلیم میرٹھی نے بھی شرکت فرمائی۔ آپ نے نہ صرف کانفرنس میں شرکت فرمائی، بلکہ مولانا عبد الماجد بدایونی کے لیے تحریکِ صدارت کی تائید بھی کی، مولانا عبد الماجد بدایونی لکھتے ہیں:

تلاوتِ قرآن کے بعد مولوی قطب الدین صدرِ خلافت کمیٹی بلگام نے خطبۂ صدارتِ استقبالیہ پڑھا، مولانا محمد علی صاحب نے ایک مختصر تقریر میں میری صدارت کی تحریک کی اور اپنی محبّت سے جو کچھ جی میں آیا کہا، تائید مولوی عبد العلیم میرٹھی نے کی اور کہا مولانا عبد الباری وعبد الماجد جیسے علما کی ہم کو ضرورت ہے۔

(المکتوب: عبد الماجد بدایونی، ص۱۹، قومی دار الاشاعت میرٹھ، ۱۹۲۱ء)

اس کانفرنس میں مولانا محمد علی جوہر نے اپنی تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی:

ضلع بلگام کی خلافت کانفرنس کا یہ جلسہ اِس امر کا اعلان کرنا نہایت ضروری سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کو اس گورنمنٹ کی فوج میں نوکر رہنا قطعاً حرام ہے اور ہر مسلمان کو اس گورنمنٹ کی فوج میں داخل ہونا یا بھرتی کرانا، نیز کسی اور طرح کی فوجی مدد دینا از روئے شرع شریف ناجائز ہے اور اگر یہ گورنمنٹِ برطانیہ حکومتِ اسلامیہ انگورہ کے خلاف جنگ کرے گی یا اس کے خلاف یونانیوں کو اعلانیہ وخفیہ مدد دے گی، تو اس حالت میں ہمارا فرض ہوگا کہ کانگریس کی معیّت میں قانون شکنی کا آغاز کریں اور دسمبر میں احمد آباد کانگریس (ماہ نامہ جامِ نور، دہلی میں اس جگہ کانگریس ہی لکھا ہے، لیکن میرے ناقص خیال کے مطابق اصل تحریر میں اِس مقام پر 'کانگریس' کی جگہ 'کانفرنس' ہوگا۔ ندیم) کے موقع پر ہندوستان کی کامل آزادی اور اس مُلک میں جمہوری حکومت کے قیام کا اعلان کردیں۔ (مرجع سابق، ص۲۸/۲۹)

اِس تجویز کی تائید مولانا عبد العلیم میرٹھی نے فرمائی، مولانا عبد الماجد بدایونی

لکھتے ہیں:

ڈاکٹر سیف الدین کچلو صاحب اور مولوی عبد العلیم میرٹھی اور دو ہندو لیڈروں نے تائید کی اور عام جلسے نے عہد کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ (مرجعِ سابق، ص۲۹)

اجلاسِ مؤتمر اسلامی کانپور: اِسی طرح خانوادۂ قادریہ اور خانوادۂ علیمیہ کے افراد مؤتمر اسلامی کے اجلاس کانپور میں بھی قوم و ملّت کی فکر مندی اور اس کی چارہ سازی کے لیے شانہ بہ شانہ اور قدم بہ قدم نظر آتے ہیں، مؤتمر اسلامی کا یہ اِجلاس ۲۱/ ۲۲/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانپور میں منعقد ہُوا، اس کی صدارت جناب اے۔ ایچ۔ غزنوی ممبر مجلسِ قانون ساز نے فرمائی، اس کانفرنس کے انعقاد کا اصل مقصد برطانوی حکومت کے ذریعے پاس کیے گئے 'ساردا ایکٹ' کے خلاف احتجاج تھا، اس ایکٹ میں بہت سے ایسے قوانین تھے جو اسلام کے عائلی قوانین کے مخالف تھے، مؤتمر اسلامی کے اس اجلاس میں مطالبہ کیا گیا تھے کہ مسلمانوں کو ساردا ایکٹ سے مستثنیٰ کیا جائے، اس کانفرنس کی مختصر روداد سیّد ذاکر علی (سکریٹری مجلسِ استقبالیہ مؤتمر اسلامی کانپور) نے 'مختصر رودادِ اجلاسِ مؤتمر اسلامی' کے نام سے مطبعِ مجیدی کانپور سے ۱۹۳۰ء میں شائع کی تھی، یہ روداد ہمارے پیشِ نظر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجلاس میں:

'چار سو سے زائد نمائندگان نے صوبہ متّحدہ آگرہ واودھ (موجودہ یوپی) کے علاوہ صوبہ ہائے برما، آسام، بنگال، بہار، مدراس، پنجاب، سرحد، بمبئی، گجرات، سندھ، وسطِ ہند صوبہ متوسّط، راجپوتانہ شہر بمبئی، شہر کلکتہ و ریاست ہائے ہند سے شرکت فرمائی۔' (مختصر روداد اجلاس مؤتمر اسلامی: سیّد ذاکر علی، ص۲، مطبعِ مجیدی، کانپور، ۱۹۳۰ء)

اس اجلاس میں علمائے بدایوں کے علاوہ حضرت مولانا قطب الدین عبد الوالی

فرنگی محلی کی معیت میں علمائے فرنگی محل، برادرِ مبلّغ اسلام مولانا نذیر احمد خجندؔی صدّیقی، مبلّغِ اسلام مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولوی ابوالقاسم سیف بنارسی (غیر مقلّد)، مفتی کفایت اللہ دہلوی، صدر جمعیت علمائے ہند (دیوبندی مکتبِ فکر) اور مولوی نصیر الدین نجفی لکھنؤ (شیعی مکتبِ فکر) وغیرہ نے شرکت کی۔ (مرجعِ سابق، ص۳/۴)

اس اجلاس میں ۶/ تجاویز پاس کی گئیں، یہاں ہم صرف اُن تجاویز کا ذکر کریں گے، جن کی تحریک یا تائید میں علمائے بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ کے اَفراد شامل تھے۔ پہلی تجویز حسبِ ذیل ہے:

تجویز (۱) اس مؤتمر اسلامی کی رائے میں، جو مسلمانانِ ہند کی پورے طور پر نمائندہ ہے، ساردا ایکٹ مداخلت فی الدین ہے اور مسلمانانِ ہند ملّتِ اسلامیہ پر اس کے نفاذ کو ہر گز گوارہ نہیں کر سکتے اور اس قانون کے متعلّق حکومت کا جو رویّہ رہا ہے، اُس کو سخت مذموم قرار دیتے ہوئے یہ مؤتمر اسلامی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کو اس ایکٹ کے نفاذ کی تاریخ سے پہلے ہی کلیتاً مستثنیٰ کر دیا جائے۔ (مرجعِ سابق، ص۵)

یہ تجویز مولانا آزاد سبحانی نے پیش کی، اس کی تائید مولانا نذیر احمد خجندؔی (برادرِ مبلّغ اسلام)، مولانا قطب الدین عبد الوالی فرنگی محلی اور مولانا عبد الصمد مقتدری بدایونی وغیرہ نے فرمائی۔ (مرجعِ سابق، نفس صفحہ)

تجویز (۲) یہ مؤتمر اسلامی اپنی منظور کردہ تجاویز کی تنفیذ اور ساردا ایکٹ کے نفاذ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرانے کے واسطے دیگر مناسب و ضروری تدابیر اختیار کرنے کے لیے مسلمانانِ ہند کی ایک نمائندہ کمیٹی حسبِ ذیل اشخاص کو مقرّر کرتی ہے، اور اس کو اختیار دیتی ہے کہ اپنے ارکان میں حسبِ ضرورت اضافہ کرتی رہے اور اُمّید

کرتی ہے کہ یہ کمیٹی مختلف صوبوں، اضلاع و دیگر مقامات میں اپنے ماتحت جلد از جلد امدادی کمیٹیاں قائم کرائے گی اور ہر جگہ مسلم رضاکاروں کی ایک ایسی منظّم جماعت قائم کرائے گی، جو مذکورۂ بالا تجاویز و تدابیر پر خود بھی عامل ہو اور تمام مسلمانانِ ہند کو ان پر عمل کرانے کے لیے آمادہ کرے، نیز یہ مؤتمر اس کمیٹی کو یہ اختیار دیتی ہے کہ ان تمام کاموں کے لیے مسلمانانِ ہند سے مالی اِعانت کی استدعا کرے اور حسبِ ضرورت جمع کردہ سرمائے کو صرف کرے، مؤتمر ہٰذا جمعیتِ علما و نیز ان تمام کمیٹیوں کو، جو مختلف مقامات پر اس ایکٹ کی مخالفت کے لیے قائم کی گئی ہیں، دعوت دیتی ہے کہ وہ اس وسیع نظامِ ملّی کے ساتھ اشتراکِ عمل کریں۔ (مرجعِ سابق، ص۶)

اس تجویز کے محرّک مولانا محمد علی جوہؔر تھے اور تائید مولانا عبد العلیم صدّیقی، مولانا شاہ محمد فاخر الٰہ آبادی اور مولانا عبد الصمد مقتدری بدایونی وغیرہ نے فرمائی۔ (مرجعِ سابق، نفسِ صفحہ)

تجویز (۵) یہ اسلامی مؤتمر تجویز کرتی ہے کہ اگر تاریخِ نفاذِ سارد ا ایکٹ تک اس کے نفاذ سے مسلمانوں کو مستثنٰی نہ کیا جائے، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ حکومت کے مقابلے میں قانون شکنی کے ان قابلِ عمل و مؤثّر طریقوں پر کاربند ہوں، جو کانفرنس کی مقرّر کردہ کمیٹی بتقاضائے حالات تجویز کرے۔ (مرجعِ سابق، ص۷)

اس تجویز کی تحریک مولانا عبد العلیم صدّیقی نے فرمائی اور تائید مولانا حسرؔت موہانی نے کی۔ (مرجعِ سابق، نفسِ صفحہ)

اس مؤتمر میں تجویز نمبر ۲؍ کے تحت جس کمیٹی کی تشکیل کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اس کے ممکنہ ارکان کے لیے ۸۸؍ علما کے ناموں پر شرکائے مؤتمر کا اتّفاق ہوا، ان میں چند نام یہ ہیں:

مولانا محمد علی جوہر (کنوینر کمیٹی)، مولانا قطب الدین عبد الوالی فرنگی محلی،

مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا عبد القدیر بدایونی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد الصمد مقتدری بدایونی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا حامد رضا خاں بریلوی، مولانا عبد العلیم صدّیقی میرٹھی، مولانا نذیر احمد خجندیؔ (برادرِ مبلّغِ اسلام)، حضرت سیّد پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا ظفر الدین بہاری، سیّد شاہ فاخر الٰہ آبادی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی وغیرہ۔ (مرجعِ سابق، ص۸ تا ۱۰)"[58]

نوٹ: ۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے اس فقیر سے ارشاد فرمایا:

"تحریکِ خلافت میں میرے ایک اور تایا مولانا محمد بشیر صدّیقی (علّامہ نذیر احمد خجندیؔ صدّیقی کے بڑے بھائی) نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔"

مسلم لیگ کی تنظیمِ نو میں مولانا خجندیؔ کا زبردست حصّہ:

خواجہ رضی حیدر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"(مولانا نذیر احمد خجندیؔ نے) ۱۹۳۴ء کے بعد مولانا شوکت علی کے ساتھ مسلم لیگ کی تنظیمِ نو میں زبردست حصّہ لیا۔"[59]

مولانا خجندیؔ وغیرہ کا جمعیۃ العلمائے ہند سے مستعفی ہونا:

جمعیۃ العلمائے ہند ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی، جو بعد میں جمعیت علمائے اسلام کے نام سے معروف ہوئی۔ اس جمعیت کے بنیادی اراکین و اکابرین میں مولانا نذیر احمد خجندیؔ، مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی کے نام بھی آتے ہیں، لیکن بعد میں نہرو رپورٹ

[58] ماہ نامہ "جامِ نور" دہلی، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۱۳ تا ۱۵، نیز صفحہ ۱۹۔

[59] "رتّی جناح"، صفحہ ۵۰۔

کے مسئلے پر تنازعہ کی وجہ سے، یہ دونوں بزرگ دیگر کئی اکابر سمیت جمعیت العلمائے ہند سے مستعفی ہوگئے تھے۔

چنانچہ قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مراد آبادی کے خلیفۂ مجاز حضرت قدوۃ العلما تاج العرفا مولانا شاہ محمد سلیمان قادری چشتی پھلواروی (رحمۃ اللہ علیہ) کی سیاسی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے، مولانا سیّد حسن مثنیٰ ندوی یوں رقم طراز ہیں:

"آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی، تو اس کے ساتھ تھے اور عہدِ خلافت تک اس کی آل انڈیا کونسل کے رکن رہے۔ جمعیۃ العلما سب سے پہلے صوبۂ بہار میں خود انھیں کی صدارت میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے بعد جمعیۃ العلمائے ہند کی بنیاد پڑی تو اُس کے بھی حامی و مددگار اور رکنِ رکین رہے، مگر نہرو رپورٹ کے مسئلے میں جمعیۃ العلمائے ہند نے جب کانگریس کا ساتھ دیا اور ملّی وجود خطرے میں پڑ گیا اور مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا محمد فاخر الٰہ آبادی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا قطب الدین عبد الولی فرنگی محلی، مولانا غلام بھیک نیرنگ، مولانا شفیع داؤدی، مولانا نذیر احمد خجندی، مولانا عبد العلیم صدّیقی اور مولانا عنایت اللہ وغیرہ علما و زعما کی ایک بڑی تعداد نے جمعیۃ العلمائے ہند سے مستعفی ہو کر، کانپور میں ایک علما کانفرنس مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں منعقد کی اور وسیع نظام کے ماتحت علما کی نمائندہ حیثیت رکھنے والی جمعیت قائم کی تو اُس کی صدارت و قیادت کے لیے بالاتفاق حضرت قبلہ ہی کی ذاتِ گرامی منتخب ہوئی۔ اس جمعیت کے اہم ترین مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ 'جغرافی وطنیت اور قومیت کے طلسمِ سامری سے، جو مغربی تہذیب کا سب سے زیادہ دل فریب، مگر گمراہ کن تحفہ ہے، مسلمانوں کی فکرِ اسلامی کو اور اسلام کی عالمگیر اخوّت کو متاثّر و مغلوب نہ ہونے دیا جائے۔' اِسی کے بعد ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا

مسلم لیگ کا اجلاس علّامہ اقبال کی صدارت میں منعقد ہوا، اور اس اہم مقصد اور فیصلے کی پُر زور تائید و توثیق کی گئی۔ علّامہ اقبال نے اِسی کی بنیاد پر اپنی وہ اسکیم پیش کی، جو بالآخر پاکستان کے نام سے ایک ٹھوس حقیقت بن کر ۱۹۴۷ء میں منصّۂ شہود پر آئی۔"[60]

آل انڈیا سنّی کانفرنس میں مولانا خجندی کی شرکت:

تحریکِ پاکستان میں آل انڈیا سنّی کانفرنس نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کے متعدد اجلاسوں کے ذریعے جن ہزاروں جلیل القدر علمائے اہلِ سنّت نے قیامِ پاکستان کے لیے راہ ہم وار کی، اُنھیں میں مبلغِ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ احمد مختار صدّیقی علیہ الرحمۃ، حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خجندی صدّیقی علیہ الرحمۃ، حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی علیہ الرحمۃ اور حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں، جس کا ذکر حضرت علامہ محمد جلال الدین قادری علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیفِ لطیف "تاریخِ آل انڈیا سنّی کانفرنس" میں جا بہ جا کیا ہے، حضرت مولانا نذیر احمد خجندی کا ذکر حضرت علامہ جلال الدین صاحب کی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۲۴ پر، پندرہ روزہ "ندائے اہلِ سنّت"، لاہور ۱۶ تا ۳۱ جنوری ۱۹۹۶ء کے حوالے سے موجود ہے۔ مزید یہ کہ حضرت علامہ حشمت علی خاں رضوی لکھنوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ "۱۳۴۲ھ میں حضرتِ والا[61] نے آل انڈیا سنّی کانفرنس قائم فرما کر اس کا پہلا سالانہ جلسہ مراد آباد میں منعقد فرمایا تھا۔"[62]

---

60 "شمس المعارف"، مقدمہ، ص ۴۹ تا ۵۰۔

61 یعنی صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا مفتی سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی رضی اللہ عنہما)۔ (ندیم)

62 "ستر باادب سوالاتِ دینیۂ ایمانیہ"، صفحہ ۹۱۔

مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجلاس کے شرکا میں سے جن چند افراد کے نام لکھے ہیں اُن میں مولانا نذیر احمد خجندؔی رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔[63]

نوٹ: یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ حضرت علامہ مولانا محمد جلال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء کے کچھ رسائل اور کتب کے حوالوں سے لکھتے ہیں:

"الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ یعنی 'آل انڈیا سنّی کانفرس' کا تاسیسی اجلاس ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظّم ۱۳۴۳ھ / ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو مرادآباد میں ہوا۔"[64]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں سال جو "۱۳۴۲ھ" مرقوم ہے، اُس میں کتابت کی کچھ غلطی ہے؛ کیوں کہ جب آل انڈیا سنّی کانفرنس کا تاسیسی اجلاس ۱۳۴۳ھ میں ہوا تھا، تو اس کا سالانہ اجلاس ۱۳۴۲ھ میں کس طرح ہو سکتا ہے!!! وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم۔

"وفدِ حجاز و وفدِ جمعیۃ العلما صوبۂ بمبئی کا مُکالمہ (۲/ جولائی، بمقام بمبئی):

رئیسِ وفد اور معتمدِ جمعیت نذیر احمد خجندؔی، مدیرِ غالب بمبئی؛ ابو الضیا ریاض النور صدّیقی ،سیکرٹری؛ حضرت مولانا حکیم فضلِ رحیم، معتمد؛ حضرت مولانا طفیل احمد، رکن؛ حضرت مولانا شیخ عطاء اللہ، رکن ہیں۔

سوال نمبر ۱: کیا آپ کے پاس حزبِ وطنی حجازی یا امیر علی، جن کے نائب ہو کر آپ یہاں آئے ہیں، کا کوئی باضابطہ سند یا اجازت نامہ ہے؟

جواب: ہاں، حزبِ وطنی حجازی، جو امّتِ حجازیہ کی قائم مقام ہے، اس کی باضابطہ

---

[63] "ستّر باادب سوالاتِ دینیۂ ایمانیہ"، صفحہ ۹۱۔

[64] "تاریخِ آل انڈیا سنّی کانفرنس"، صفحہ ۲۴۔

سندیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

سوال نمبر ۲: کیا حزبِ وطنی حجازی تمام اہالیانِ حجاز کی نیابت کرتی ہے؟

جواب: جی ہاں، وہ تمام اُمّتِ حجازیہ کی نیابت کرتی ہے۔

سوال نمبر ۳: شریف حُسین کا عزل منجانبِ قوم تھا یا کسی بیرونی اثر کے ماتحت؟

جواب: شریف حُسین محض اُمّت کے مطالبے پر دست بردار ہو گئے اور اس میں قطعی اُمّتِ حجازیہ کے سوا کسی کا ذرا بھی اثر نہ تھا۔

سوال نمبر ۴: حکومتِ برطانیہ کے ساتھ شریف علی کے تعلّقات کس طور پر قائم ہیں؟

جواب: ملک علی اور موجودہ حکومت کے تعلّقات حکومتِ برطانیہ کے ساتھ بِعَیْنِہٖ وہی ہیں جو دوسری اجنبی حکومتوں کے ساتھ ہیں اور یہ وہ تعلّقات ہیں جو ایک خود مختار حکومت کے دوسری خود مختار حکومت کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۵: موجودہ حکومت شخصی ہے یا عبوری؟

جواب: ماہِ ربیع الاوّل میں جب انقلاب ہوا، تو اُمّت نے امیر علی کی بیعت اِس شرط پر کی کہ وہ دستوری نیابی شرعی حکومت کے بادشاہ ہوں۔ چنانچہ جب سے حکومت قائم ہوئی ہے وہ تمام علما و اعیانِ اُمّت کے مشورے کے ساتھ عمل پیرا ہیں؛ البتّہ، نمائندوں کا انتخاب اور مجلس نائبین کی اُسی وقت عمل میں آسکتی ہے، جب کہ اس سرزمین کے وہ حصّے جو دشمنوں کے ہاتھ میں جا چکے ہیں واپس لے لیے جائیں، اور خدا کے حکم سے جس وقت یہ آفتِ ناگہانی دور ہو گئی تو اُس وقت یہ باتیں عمل میں لائی جائیں گی، اور فی الحقیقت حکومت اِس کارروائی کے لیے پابند ہے اور اس کو سرکاری طور پر وزیرِ خارجیہ نے اپنے خط میں ظاہر کر دیا ہے، جو اُس نے جمعیّتِ خلافتِ ہندیّہ کے وفدِ جدّہ کو تحریر کیا تھا۔

سوال نمبر ۶: حکومتِ امیر علی اُن معاہدات کے متعلّق کیا خیال رکھتی ہے، جو

اُن کے والد اور اجنبی حکومتوں کے درمیان قرار پائے تھے؟

جواب: سرکاری طور پر کوئی معاہدہ اُن کے والد اور کسی اجنبی حکومت کے درمیان نہیں ہوا تھا؛ البتّہ، چند وعدے اُن کے اور حکومتِ برطانیہ کے درمیان تھے، جن کا کسی طور پر مُلک پابند نہ تھا اور یہ روشن و واضح ہو چکا ہے کہ باضابطہ طور سے معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے پوری جدّوجہد کی گئی، لیکن بے کار۔ اس سے یہ صاف عیاں ہے کہ ان کوششوں کے قبل سرکاری طور پر کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا اور موجودہ حکومت نے سرکاری طور پر یہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ کسی گذشتہ عہد وپیماں کی ذمّے دار نہیں ہے، جس پر کسی معترض نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب یہ اس کے کسی معاہدے کی ذمّے داری سے براءت اور اس کی پاک دامنی و نیک نیّتی کی کافی دلیل ہے اور اس کا دامن پاک ہے اور اس کی نیّت اچھی ہے، اگرچہ اس راہ میں اس کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

سوال نمبر۷: بالفرض، حکومتِ امیر علی نے کوئی بھی معاہدہ نہیں کیا، تو پھر کونسلوں کو جدّہ میں کیوں اور کس بنا پر رہنے دیا گیا؟

جواب: جدّہ میں کونسلوں کے رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حکومتِ موجودہ اور اُن حکومتوں کے درمان، جن کے یہ کونسل ہیں، کوئی معاہدہ بھی ہوا ہو، اور ہم یقینی طور پر بتائے دیتے ہیں کہ وہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے اور گذشتہ حکومت کا جو طریقہ تھا وہ یہ تھا کہ کوئی معتمد (ایجنٹ) یا کونسل جس کسی حکومت کا بھی جب جدّہ میں اپنا کونسل خانہ قائم کرنا چاہتا تھا، تو جب تک حکومتِ عربیِ ہاشمی کی خود مختاری کا اقرار نہ کر لیتا تھا، نہ اس کو مانتے تھے اور نہ اس کے اعتماد کے کاغذ کو منظور کرتے تھے۔

سوال نمبر۸: کیا امیر علی حکومت کی تمام دولت اور سامانِ جنگ پر قابض ہو گیا؟

جواب: ہاں، شریف حُسین کی دست برداری کے وقت حسبِ دستور سب چیزیں

اُس کے قبضے میں آ گئیں۔

سوال نمبر۹: وہ کیا اَسباب ہیں جنھوں نے ابنِ سعود کو حجاز پر حملہ کرنے کی طرف مائل کیا اور شریف حُسین طائف کی مدافعت کیوں نہ کر سکے؟

جواب: ابنِ سعود نے حجاز پر جو حملہ کیا وہ صرف فتح مندی اور ملک کی ہوس سے کیا اور اسی کے ضمن میں یہ بھی کہ بے دست وپا رعایا کی دولت ہاتھ لگے۔ وہ مسلمانوں کو اصل حقیقت سے پردے میں رکھنا چاہتے ہیں؛ حالاں کہ، اس کے ثبوت میں ہمارے صحیح اور واضح دلائل موجود ہیں۔ ہاں، طائف میں مدافعت نہ کرنے کے متعدّد اَسباب ہیں، جن میں سے یہ بھی ہے کہ حملہ بے خبری میں کیا گیا، جس کی وجہ سے گذشتہ حکومت کوئی ضروری بندوبست نہ کر سکی اور خوں ریزی نہ ہونے کے لحاظ سے یہی بہتر سمجھا کہ وہ طائف سے واپس آ جائے۔

سوال نمبر۱۰: حکومت کے مکّۂ مکرّمہ سے چلے آنے کے کیا اَسباب تھے؟

جواب: جس وقت مقامِ ہُدیٰ (مکّۂ مکرّمہ اور طائف کے درمیان مشہور کرئ پہاڑی کے ایک بالائی حصّے کا نام ہے) پر جنگ ہوئی اور خدا کو منظور ہوا کہ فوجی نظام کے ماتحت فوج واپس آ جائے اور اُمّتِ حجازیّہ کو جب یہ پتا چل گیا کہ موجودہ قوّت مکّۂ مکرّمہ کی مُدافعت کرنے کے قابل نہیں ہے، تو اُس نے مشہور انقلاب کر دیا اور امیر علی سے بیعت کر لی؛ اس کے بعد اُمّتِ حجازیہ نے ابنِ سعود اور تمام عالَمِ اسلامی کو تار دیے تاکہ وہ ایسی صورت اختیار کریں، جس سے بلد الحرام میں خوں ریزی نہ ہو۔ اُمّتِ حجازیّہ نے حزبِ وطنی کی زبان سے اور مَلک علی نے اپنی طرف سے ابنِ سعود اور اس کی فوج کے سپہ سالاروں کو، جو طائف میں تھے، خطوط لکھے؛ لیکن اُنھوں نے اُن خطوط کو پھاڑ ڈالا اور اِلتوائے جنگ اور کسی قسم کی صلح سے اِنکار کر دیا اور عملی طور پر اُن کا لشکر طائف سے مکّۂ

مکرّمہ کی طرف بڑھا[65] کے اعضا جدّہ میں جمع ہو کر مَلِک علی سے بہ ذریعۂ ٹیلی فون یہ گفتگو کرتے رہے کہ کیا صورت اختیار کرنی چاہیے اور بالآخر بحث و تدقیق کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مکّۂ مکرّمہ سے فوراً واپس ہو جائیں تا کہ حرم شریف میں خون نہ بہے اور تا کہ مکّۂ مکرّمہ میں مُدافعت کرنے سے وہاں کی کم زور رعایا پر وہ مصیبتیں نہ ٹوٹ پڑیں جو طائف میں آئیں؛ لہٰذا، مکّے کی سلامتی اِسی میں دیکھی گئی کہ امیر علی اور اُس کی قوت وہاں سے جدّہ ہٹ آئے۔

سوال نمبر ۱۱: کیا ابنِ سعود نے حملۂ حجاز میں حکومتِ برطانیہ سے کچھ اِمداد حاصل کی؟

جواب: ابنِ سعود اور برطانیہ میں جو تعلّقات ہیں وہ ہم کو اور ہر اُس شخص کو جس نے کچھ بھی اس پر غور کیا معلوم ہیں، لیکن اُنھوں نے اِس جنگ میں کیا مدد دی، ہم کو نہیں معلوم۔ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی اچھی طرح جانتا ہے۔

سوال نمبر ۱۲: اگر اکثر مسلمانانِ ہند چند شُروط کے ساتھ شریف علی کی امارت کو مان لیں، تو کیا موجودہ حکومت (حجاز جدّہ) ان پر کاربند ہو گی؟

جواب: حکومت کی صرف یہ غرض ہے کہ مقدّس مُلک محفوظ رہے؛ لہٰذا، ہر وہ شرط جو مُلک کی خود مختاری کو ٹھیس نہ لگاتی ہو ہم اُس پر مباحثہ کرنے اور اس کو ماننے کے لیے تیار ہیں۔

سوال نمبر ۱۳: صحیح طور پر، نجدیوں کے مظالم کے متعلّق آپ کیا جانتے ہیں اور کس طرح آپ نے معلوم کیا ہے؟

جواب: اُن کے مظالم کی کوئی حد نہیں اور نہ شمار، اور ہماری معلومات خود دیتے ہوئے واقعات، مشاہدات اور متواتر خبروں پر مبنی ہیں، جس میں شک کو ذرا بھی گنجائش نہیں۔

65 اِس مقام پر ایک دو لفظ غیر واضح پرنٹنگ کے سبب سمجھے نہیں جاسکے۔ (ندیم)

اگر ان مظالم کو گنانے بیٹھیں تو اس کے لیے ضخیم دفاتر اور کافی وقت درکار ہو گا۔

سوال نمبر ۱۴: آپ اِس کا اقرار کرتے ہیں کہ شریف حُسین کا میدان میں آنا خلیفۃ المسلمین پر خُروج تھا یا نہیں؟

جواب: ہم چاہتے ہیں کہ گذشتہ اُمور پر گفتگو نہ کریں، کیوں کہ گذشتہ زمانے کے واقعات کا سوال ایک ہی شخص سے ہو سکتا ہے اور کوئی بات جو پہلے واقع ہو چکی ہے، خواہ وہ اچھی ہو یا بُری، اس کے سوا کسی دوسری[66] نہیں ہوتی۔ اور اب وہ شخص مُلک سے دست بردار[67] حکومت سے اُس کا کوئی واسطہ نہ رہا؛ اب وہ جانے اور اُس کا خدا۔

سوال نمبر ۱۵: ضرور آپ جانتے ہوں گے کہ امیر علی اپنے باپ کے خُروج کی حرکات میں شریک و معاون تھے، جس کے بعد وہ ولیِّ عہد اور امیر مدینہ مقرّر ہوئے؟

جواب: ہم نے سابقہ شوال[68] میں توضیح کر دی ہے، یہاں اس کے اِعادے کی ضرورت نہیں، اور مَلِک علی کے مدینے میں رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اُس حرکت سے متّفق تھے۔ وہ مدینۂ منوّرہ میں بہ حیثیت مُلکی امیر کے تھے اور اپنی امارت کے زمانے میں جو کچھ اُنھوں نے وہاں کیا، وہ بتا رہا ہے کہ حتّی الوسع بھلائی کے دل دادہ ہیں؛ وہ سرکاری طور پر، ولیِّ عہد نہیں مانے گئے اور نہ اُن کو قوم نے اِس بنا پر پسند کیا ہے کہ وہ ولیِّ عہد تھے، اور نہ اِس خیال سے کہ وہ شریف حُسین کی اولاد میں سے ہیں، بلکہ مُلکی حالت پر خوب غور کرنے کے بعد اور یہ جان کر کہ مُلک کی حفاظت، اس کی سلامتی اور

66 اِس مقام پر بھی ایک دو لفظ غیر واضح پرنٹنگ کے سبب سمجھے نہیں جاسکے۔ (ندیم)

67 ایضاً۔

68 ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امرتسر میں اِس مقام پر لفظِ "شوال" ہی لکھا ہے، جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے؛ ہمارے خیال میں یہاں لفظِ "شوال" کی بجائے "سوال" ہونا چاہیے۔ (ندیم)

وہاں عدل اور شریعتِ اسلامیہ قائم رکھنے کے لیے ایک شخص میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے، اُن میں موجود ہیں۔ ان باتوں کے لحاظ سے ان کو منتخب کیا گیا۔

۱۰/ ذی الحجّہ ۱۳۴۳ھ / ۲/ جولائی ۱۹۲۵ء

(دستخط) رئیسِ وفدِ حجازی

(دستخط) رئیسِ وفدِ جمعیّہ"[69]

مولانا خجندیؔ کی لاہور تشریف آوری:

سجّادہ نشین درگاہِ غوثیہ ملتان حضرت مولانا مخدوم سیّد صدر الدین گیلانی حسنی حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ صدارت، ۲۱ تا ۲۵/ نومبر ۱۹۲۵ء کو بریڈلا ہال، لاہور میں، انجمن خدّام الحرمین قائم کرنے کے لیے مشاورتی کانفرنس کے اجلاس منعقد کیے گئے، جس میں دہلی، انبالہ، پٹیالہ، بسی، لدھانہ، جالندھر، ہوشیار پور، بٹالہ، امر تسر، فیروز پور، قصور، ملتان، لائل پور، گوجرنوالہ، جھنگ، سیالکوٹ، علی پور، جموّں، گجرات، جہلم، راولپنڈی، سرگودھا، پشاور وغیرہا مختلف مقامات اور شہروں سے متعدّد علمائے کرام و مشائخِ عظام اور دیگر مہمانانِ گرامی تشریف لائے۔

علی پور سیداں سے حضرت مولانا سیّد نور حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ اُن کے والدِ ماجد سَنُوسیِ ہند، امیر ملّت، شیخ العرب والعجم حضرت علّامہ پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شمولیتِ جلسہ کے لیے روانہ ہوئے تھے، لیکن احمد آباد میں بہ وجہِ علالت اُتر گئے۔ لکھنؤ سے حضرت مولانا عبد الباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے برادر زادہ و خلیفہ حضرت مولانا قطب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سیّد

[69] ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امر تسر، پنجاب، انڈیا، منگل، ۲۸/ جولائی ۱۹۲۵ء/ ۶/ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ، ص ۵ تا ۶۔

الاحرار حضرت مولانا سیّد فضل الحسن صاحب حسرتؔ موہانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا الطاف الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سعید الرحمٰن وغیر ہم کلکتہ میل سے لاہور پہنچے۔ حضرت مولانا عبد القدیر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بھی، جو حیدر آباد دکن سے آئے تھے، راستے میں ان حضرات کے ساتھ شریکِ سفر ہو گئے تھے۔

بمبئی سے مولانا نذیر احمد خجندیؔ (مدیرِ "غالب" بمبئی) اپنے رفیق جناب سیٹھ زکریا منہار، جو تحریکِ خلافت کے مشہور کارکن تھے، کے ہم راہ، بہ ذریعہ بمبئی میل، لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچے، جہاں چائے سے آپ کی تواضع کی گئی اور اسٹیشن پر کمرۂ انتظار میں آپ کو بٹھایا گیا تاکہ صدرِ کانفرنس جناب گیلانی صاحب پہنچیں، تو اُن کے ساتھ ہی ان کو بھی قیام گاہ تک لے جایا جائے۔

چنانچہ صدرِ کانفرنس کی آمد پر، معزّز مہمانوں کو، ریلوے اسٹیشن سے موٹر گاڑیوں پر سوار کر کے، اُن کی قیام گاہوں تک پہنچا دیا گیا۔ صاحبِ صدر، مع رفقا، مولانا محرم علی صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ (وکیل ہائی کورٹ، لاہور) کے ہاں قیام پزیر ہوئے؛ صاحب زادہ سیّد نور حسین، راجہ صاحب سلیم پور، مولانا عبد القدیر، سیٹھ زکریا، مولانا خجندیؔ وغیر ہم نے خان سعادت علی خاں صاحب رئیس کے ہاں قیام فرمایا اور باقی حضرات مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حاجی قادر بخش صاحب رئیس کے ہاں ٹھہرے۔ مولانا اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا فضل اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ (ایڈیٹر "رسالت" بمبئی) دوسرے دن تشریف لائے۔ جلسے کے لیے بریڈلا ہال مستعار لیا گیا تھا۔[70]

[70] ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امر تسر، ۲۸/ نومبر ۱۹۲۵ء، ہفتہ، ۱۱/ جمادی الاوّل ۱۳۴۴ھ، ص ۹ تا ۱۰، مُلَخَّصًا۔

آٹھواں باب:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا خجندی

مولانا خجندی کے دو بھائی شاگرد و خلفاءِ اعلیٰ حضرت:

مولانا نذیر احمد خجندی کے برادرِ اکبر حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی اور برادرِ اصغر مبلّغِ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی کو اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں فاضل و محدّثِ بریلوی رضی اللہ عنہم سے شرفِ تلمذ شاگردی کا شرف) حاصل تھا اور اعلیٰ حضرت نے ان دونوں حضرات کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فِرَقِ باطلہ (باطل فرقوں) کے رد میں اپنے شاگردوں کا ذکر کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں ؎

بلکہ رضا کے شاگردوں کا نام لیے گھبراتے یہ ہیں[71]

اور پھر اِس شعر کے بعد، اعلیٰ حضرت نے اپنے اشعار میں جن چند ناموں کا ذکر فرمایا ہے، اُنھیں میں حضرت شاہ احمد مختار صدّیقی اور حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی کے اسمائے مبارکہ بھی ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

مجبور احمد مختار ان کو کرتا ہے مرجاتے یہ ہیں[72]

---

[71] "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادُ(۱۳۳۷ھ)"، صفحہ ۶۷۔

[72] ("اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادُ" مع "کشفِ ضلالِ دیوبند"، نسخۂ قدیمہ، ص ۳۴؛ نسخۂ جدیدہ، ص ۶۸۔

مفتیِ اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی (خلفِ اصغر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہما) نے اِس شعر میں "احمد مختار" کی شرح یوں فرمائی ہے:

"جناب حامیِ سنّت مولانا مولوی احمد مختار صاحب صدّیقی میرٹھی قادری برکاتی رضوی، خلیفۂ اعلیٰ حضرت مدّ ظلّہ۔"[73]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے مبلّغِ اعظم حضرت علامہ شاہ عبد العلیم میرٹھی مدنی رضی اللہ عنہما کو اُن کی مناظرانہ استعداد اور علم پر یوں دادِ تحسین سے نوازا:

عبدِ علیم کے عِلم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں[74]

مفتیِ اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر پر حاشیہ دے کر "عبدِ علیم" کی شرح یوں فرمائی:

"جناب حامیِ سنّت فاضل نوجوان مولانا مولوی حاجی محمد عبد العلیم صاحب صدّیقی میرٹھی قادری برکاتی رضوی، خلیفۂ اعلیٰ حضرت مدّ ظلّہ۔"[75]

حضرت مبلغِ اعظم شاہ عبد العلیم صدّیقی رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر کی آڈیو کیسٹ اِس فقیر کے پاس ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ "میرے استاد فرماتے ہیں" اور اس

---

[73] "کشفِ ضلالِ دیوبند" شرح "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادُ"، نسخۂ قدیمہ، ص ۳۴؛ نسخۂ جدیدہ، ص ۶۸۔

[74] "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادُ" مع "کشفِ ضلالِ دیوبند"، نسخۂ قدیمہ، ص ۳۴؛ نسخۂ جدیدہ، ص ۶۸۔

[75] "کشفِ ضلالِ دیوبند" شرح "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادُ"، نسخۂ قدیمہ، ص ۳۴؛ نسخۂ جدیدہ، ص ۶۸۔

کے بعد اعلیٰ حضرت کی ایک نعت شریف (زمین وزماں تمھارے لیے) کے چند اشعار پڑھے۔

"الاستمداد" اور حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی کی تقریر کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ حضرت شاہ احمد مختار اور حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی اعلیٰ حضرت کے تلمیذ (شاگرد) بھی تھے۔ درسِ نظامی تو ان دونوں حضرات نے اعلیٰ حضرت کے پاس نہیں کیا، بلکہ مدرسہ قومیہ عربیہ میرٹھ سے کیا تھا؛ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں نے اعلیٰ حضرت سے کوئی خاص علم یا علوم حاصل کیے ہوں، یا تبرکاً کچھ پڑھا ہو۔ اور "الاستمداد کی شرح "کشفِ ضلالِ دیوبند" سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا خجندؔی کے یہ دونوں بھائی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ بھی تھے۔

کیا مولانا خجندؔی خود بھی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے ؟:

مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مجدّدِ دین وملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل و محدّثِ بریلوی رضی اللہ عنہ سے خلافت کا شرف اور اعزاز حاصل تھا اور یہ بات لکھی ہے ہمارے برادرِ طریقت محترم جناب مولانا محمد امین نورانی صاحب زِیْدَ مَجْدُہٗ (ناظم دار الاقامہ، جامعہ انوار القرآن، کراچی) نے۔

مولانا محمد امین نورانی صاحب نے اپنے اور اِس فقیر (ندیم نورانی) کے پیر و مرشد، سابق سینیٹر آف پاکستان، سابق صدر جمعیتِ علمائے پاکستان، سابق صدر متّحدہ مجلسِ عمل پاکستان، سابق چیئر مین ورلڈ اسلامک مشن، قائدِ اہلِ سنّت و قائدِ ملّتِ اسلامیہ مبلّغِ اسلام حضرت علاّمہ مولانا اِمام شاہ احمد نورانی صدّیقی میرٹھی ثمّ کراچوی رضی اللہ عنہ کے حالات وخدمات پر ایک کتاب "عہدِ رواں کی ایک عبقری شخصیت" کے نام سے تحریر فرمائی، جس میں مولانا امین نورانی رقم طراز ہیں:

"آپ (مولانا شاہ احمد نورانی) کے ۔۔۔ تایا حضرت مولانا نذیر احمد صدّیقی خجندی کو بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منصبِ خلافت حاصل تھا۔"[76]

مولانا امین نورانی صاحب نے یہ اہم معلومات یقیناً کسی معتبر کتاب یا اِس باب میں کس معتبر شخصیت ہی سے حاصل کی ہو گی۔ ہم اُن کی تائید میں خود ہی ایک بات عرض کرتے چلیں کہ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رضی اللہ عنہ نے مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے دو بھائیوں (حضرت شاہ احمد مختار صدّیقی اور حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی) کو یقیناً شرفِ خلافت سے نوازا تھا، جیسا کہ ہم نے تفصیل سے گزشتہ سطور میں بیان کیا ہے۔ مولانا خجندؔی بھی اُس وقت کافی متحرک اور باعمل عالمِ دین تھے؛ اُن کی دینی وملّی خدمات سب پر روشن تھیں؛ نیز "فتاوٰی رضویہ" میں اُن کا ایک اِستفتا بھی موجود ہے، جسے ہم چند سطور بعد ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں؛ تو کوئی بعید نہیں، بلکہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جہاں مولانا خجندؔی کے دو بھائیوں کو خلافت سے نوازا، وہیں خود حضرتِ خجندؔی کو بھی شرفِ خلافت عطا کیا ہو؛ اور عین ممکن ہے کہ جس طرح اور بعض خلفائے اعلیٰ حضرت کے نام پوشیدہ رہے ہیں، جس کا انکشاف بعد میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے؛ اسی طرح مولانا خجندؔی کی خلافت بھی معروف و مشہور نہ ہو سکی ہو، بالخصوص اِس صورت میں کہ مولانا خجندؔی کی حیات کے ابھی بہت سے گوشے پوشیدہ و پنہاں ہیں۔

"حُسَامُ الْحَرَمَیْن عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَ الْمَیْن (۱۳۲۴ھ)" پر مولانا خجندؔی کی تصدیق:

خطیب العلما حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی صدّیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

76 "عہدِ رواں کی ایک عبقری شخصیت"، ص ۱۳ تا ۱۴۔

"حُسَامُ الْحَرَمَیْنِ عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَ الْمَیْنِ(۱۳۲۴ھ)" پر حسبِ ذیل تصدیق (نمبر۱۵۹) بھی رقم کی ہے، تصدیق میں "مجیب" (یعنی جواب دینے والے) سے مراد اعلیٰ حضرت مجددِ دین وملّت امام احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں:

"جواب صحیح ہے، مولیٰ تعالیٰ مجیبِ لبیب کو اجرِ عظیم عطافرمائے۔

شیخ نورالحق نذیر احمد خجندی، مدیر 'غالب'، بمبئی۔"[77]

فتاوٰی رضویہ میں مولانا خجندی کا ایک اِستفتا:

"مسئلہ ۷ تا ۹: از بمبئی نمبر ۲، سنگل داس روڈ، معرفت وائز برادر،

مسئولہ نذیر احمد خجندی، ۱۶/ محرم ۱۳۳۹ھ۔

(۱) سلطنتِ اسلامیہ عثمانیہ تباہ برباد کی جارہی ہے، اس کے حصّے بخرے کرلیے گئے، ایسی حالت میں ہم اہلِ سنّت وجماعت کو اس سلطنتِ اسلامی سے ہمدردی اوراس کے دشمنوں سے نفرت کرنی چاہیے یانہیں؟

(۲) اماکنِ مقدّسہ بے حرمت کیے گئے، خصوصاً حرم شریف میں خون بہایا گیا، غلافِ کعبۃ اللہ میں آگ لگی، ان بے حرمتی کرنے والوں اور ان افراد سے جو اس بے حرمتی کے باعث ہوئے، ہم کو نفرت اور عداوت رکھنی چاہیے یا نہیں؟

(۳) خصوصاً جس قوم نے سلطنتِ اسلامیہ کوبرباد اور اماکنِ مقدّسہ کو بے حرمت کرنے کی کوشش کی ہو، وہ دشمنِ اسلام اور مخالفُ اللہ تعالیٰ ورسولِ اکرم صلی اللہ

77 "اَلصَّوَارِمُ الْھِنْدِیَّۃ"، صفحہ ۸۴۔

تعالیٰ علیہ وسلّم سمجھی جائے گی یا نہیں، اور بفحوائے آیۂ کریمہ:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ الخ[78]

ہم اہلِ سنّت وجماعت کو ان دشمنانِ اسلام سے دوستانہ تعلّقات ترک کرنے چاہییں یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا۔

جوابِ اعلیٰ حضرت:

ہر سلطنتِ اسلام، نہ صرف سلطنت، ہر جماعتِ اسلام نہ صرف جماعت، ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی مسلمان پر فرض ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلدِّیْنُ النُّصْحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ۔[79]

مگر ہر تکلیف بقدرِ استطاعت اور ہر فرض بقدرِ قدرت ہے؛ نامقدور بات پر مسلمان کو ابھارنا جو نہ ہوسکے اور ضرر دے اور اسے فرض ٹھہرانا شریعت پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

78 سورۃ المجادلۃ: ۲۲۔

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔ الخ (کنزالایمان)

79 صحیح البخاری، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الدین والنصیحۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۳۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دینِ اسلام ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔(ت)

قال اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ت):

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا۔[80]

وقال تعالیٰ (اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ت):

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ۔[81]

پھر خیر خواہیِ اسلام حدودِ اسلام میں رہ کر ہے، مشرکین سے اتحاد و موالات اور ان کو راضی کرنے کو شعارِ اسلام کی بندش مشرک لیڈر کو اپنے دین کا ہادی و رہبر بنانا، مشرک لکچرار کو مسلمانوں کا واعظ ٹھہرانا، اسے مسجد میں لے جاکر جماعتِ مسلمین سے اونچا کھڑا کرکے لکچر دلوانا، اپنے ماتھوں پر مشرکوں سے قشقے لگوانا، مشرکوں کے مجمع میں مشرک لیڈروں کی جے پکارنا، مشرک لیڈروں کی ٹکٹکی اپنے کندھوں پر اٹھاکر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو مشرک کا ماتم گاہ ٹھہرانا، اس کے ماتم کے لیے مساجد میں سر برہنہ ہونا، اس کے لیے نماز و دعائے مغفرت کا اشتہار دینا، قرآن مجید اور رامائن کو ایک ڈولے میں رکھ کر دونوں کی پوجا کراتے ہوئے مندر میں لے جانا، مشرکوں نے قربانیِ گاؤ پر مسلمانوں کو بے دریغ ذبح کیا، آگ سے پھونکا؛ ان میں جو بعض گرفتار ہوئے اور ان پر ثبوتِ کامل پہنچ گیا، ان کے لیے رحم کی درخواست کرنا، ان کی رہائی کی ریزولیوشن پاس کرنا، صاف لکھ دینا کہ ہم نے قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، صاف لکھ دینا کہ آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا

---

80 سورۃالبقرۃ: ۲۸۶۔

ترجمہ: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا، مگر اس کی طاقت بھر۔(کنزالایمان)

81 سورۃالتغابن:۱۶۔ ترجمہ: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔(کنزالایمان)

کو راضی کرلیا، صاف لکھ دینا کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو کفر و اسلام کا امتیاز اٹھادے گا، صاف لکھ دینا کہ ہم ایسا مذہب بنانا چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ (بتوں کی پرستش گاہوں) کو مقدس مقام ٹھہرائے گا؛ یہ امور خیر خواہیِ اسلام نہیں، کند چھری سے اسلام کو ذبح کرنا ہے، یہ سب افعال و اقوال ضلالِ بعید و کفرِ شدید ہیں اور ان کے فاعل و قائل و قابل اعدائے دینِ حمید و دشمنانِ ربِّ مجید ہیں۔

اِتَّخَذُوۡا دِیۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّ لَعِبًا۔[82] بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ کُفۡرًا[83]

وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝[84]

نفرتِ دینیہ، مکروہِ تنزیہی واساءت، مکروہِ تحریمی و حرامِ صغیرہ و کبیرہ و مراتبِ بدعت و ضلال و انواعِ کفر و ارتداد سب سے حسبِ مرتبہ ہے جس کے درجات مستحب سے فرض اعظم بلکہ ضروریات دین تک ہوں گے لیکن جو اخبث مراتب سے نفرت نہ کرے ادون سے اِدّعائے نفرت میں جھوٹا ہے، مکروہِ تنزیہی سے اساءت بری ہے، اساءت سے مکروہِ تحریمی بدتر ہے، اس سے کبائر اپنے مرتبے پر بدتر ہیں اور ان سے بدعت و ضلال بدتر ہیں اور ان کے بھی مدارج مختلف ہیں اور ان سب سے کفر بدتر ہے اور اس میں بھی مراتب ہیں؛ کفرِ اصلی سے ارتداد بدتر اور اس میں بھی ترتیب ہے، کفرِ اصلی کی ایک سخت قسم نصرانیت ہے اور اس سے بدتر مجوسیت، اس

---

82 سورۃالاَعراف: ۵۱۔ترجمہ: جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا۔(کنزالایمان)

83 سورۃابراھیم: ۲۸۔ترجمہ: اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی۔(کنزالایمان)

84 سورۃالشُّعَرَآء: ۲۲۷۔

ترجمہ: اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (کنزالایمان)

سے بدتر بت پرستی، اس سے بدتر وہابیت، ان سب سے بدتر اور خبیث تر دیوبندیت، افعال کیسے ہی شنیع ہوں کسی کفر کی شناعت کو نہیں پہنچ سکتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بدتر از بدتر سے بدتر، کافروں بت پرستوں سے اتحاد و وداد منایا جاتا ہے، کیسا وداد، کہاں کا اتحاد، بلکہ غلامی وانقیاد، اور ان سے بھی بدتر کفّارِ وہابیہ کو اپنی مجلسوں کی صدائیں دی جاتی ہیں اور ان تمام بدتر از بدتر سے بدتر دیوبندیت کے سر مشیخیت ہند کی پگڑی باندھنے کی فکر کی جاتی ہے، جب مشرکین و مرتدین سے یہ کچھ اتحاد ہے تو کسی فعل و معصیت سے نفرت کا اِدّعا محض سفید جھوٹ ہے۔ اگر تمہاری نفرت اللہ کے لیے ہوتی تو افعال سے ایک درجے ہی بت پرستوں سے لاکھ درجے ہوتی؛ اگر بت پرستوں سے لاکھ درجے ہوتی، دیوبندیوں سے کروڑ درجے ہوتی، تو نفرت کے دعوے محض مکر و فریب ہیں۔

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ○[85]

آیۂ کریمہ: لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ[86] کی تلاوت اس جدید پارٹی کے لیے رُبَّ تَالِی الْقُرْاٰنِ

[85] سورۃ البقرۃ: ۹۔ ترجمہ: فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے، مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں۔ (کنز الایمان)

[86] سورۃ المجادلۃ: ۲۲۔

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔ (کنز الایمان)

وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ[87] کی پوری مِصداق ہے۔

کیا بت پرست و وہابیہ و دیوبندیہ "مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ" میں داخل نہیں؟ ضرور ہیں۔ کیا یہ پارٹی ان سے وِداد و اتحاد کر کے "یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ" میں داخل نہ ہوئے؟ ضرور ہوئے؛ اور یہی آیۂ کریمہ فرما رہی ہے کہ جو "یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ" ہیں، وہ "یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ" نہیں؛ لاجَرَم:

شَھِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ○[88]

یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ○[89]

[87] المدخل لابن الحاج، الجزء الاوّل، ص۸۵؛ الجزء الثانی، ص۳۰۴، دار الکتاب العربی، بیروت۔ ترجمہ: بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر قرآن لعنت کرتا ہے۔ (ت)

[88] سورۃ الاَنعام: ۱۳۰۔

ترجمہ: خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (کنز الایمان)

سورۃ الاَعراف: ۳۷۔

ترجمہ: اپنی جانوں پر آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔ (کنز الایمان)

[89] سورۃ الحشر: ۲۔

ترجمہ: اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، تو عبرت لو، اے نگاہ والو! (کنز الایمان)

نَسْأَلُ اللهَ الْعَافِيَةَ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَى السَّيِّدِ الْكَرِيْمِ الْمُخْتَارِ وَاٰلِهِ الْاَطْهَارِ وَصَحْبِهِ الْاَخْيَارِ وَاُمَّتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقَرَارِ، وَاللهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔[90]

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرتے ہیں اور اہلِ نار کے اس حال سے اللہ تعالیٰ کے دامن سے وابستہ ہوتے ہیں، اللہ واحد قہار کی قدرت کے بغیر نیکی کی طاقت اور برائی سے باز آنے کی قدرت نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، برکات ہمارے آقا پر ہوں اور آپ کی آلِ اطہار، صحابۂ خیار اور اُمّتِ نبی پر قیامت تک ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)"[91]

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

[90] فتاوٰی رضویہ، قدیم جلد ۶، ص ۲ تا ۴؛ فتاوٰی رضویہ، جدید جلد ۱۴، ص ۱۳۲ تا ۱۳۵۔

[91] فتاوٰی رضویہ، جدید جلد ۱۴، ص ۱۳۵۔

نواں باب:

نبیرۂ حضرت محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے مراسم

سلطان الواعظین حضرت مولانا عبد الاحد قادری (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) ابنِ حضرت علامہ مولانا شاہ محمد وصی احمد محدّث سورتی (رحمۃ اللہ علیہم) کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ فضل الصمد المعروف "شاہ مانا میاں" قادری چشتی پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی: ۱۰؍ صفر المظفّر ۱۳۹۷ھ / ۳۱ جنوری ۱۹۷۷ء) کے متعلق اُن کے برادر زادے جناب خواجہ رضی حیدر صاحب لکھتے ہیں:

"...مولانا حسرت موہانی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا نذیر خجندی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سیّد محمد اشرف محدّث کچھوچھوی، مولانا سیّد احمد ابو البرکات الوری لاہوری، مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، مولانا عبد الحلیم گنج مرادآبادی، مولانا عبد القدیر بدایونی، مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولان مصباح الحسن پھپھوندوی سے آپ (شاہ مانا میاں) کے خاص مراسم تھے اور یہ تمام حضرات حضرت محدّث سورتی کی نسبت سے آپ کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔"[92]

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

[92] "تذکرہ محدّث سورتی"، بارِ اوّل: صفحہ ۲۲۵؛ بارِ دوم: صفحہ ۲۰۴۔

دسواں باب:

قائدِ اعظم سے مولانا خجندی کے تعلّقات

بانیِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا خجندی کے بڑے گہرے تعلّقات و مراسم تھے۔ اِن کی باہم قربت کا سبب بیان کرتے ہوئے،

خواجہ رضی حیدر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”عمر سوبانی اور سیٹھ جان محمد چھوٹانی سے (مولانا خجندی کے) دوستانہ مراسم تھے اور اِسی بنا پر محمد علی جناح سے قربت حاصل ہوئی۔“[93]

قائدِ اعظم کا مولانا خجندی کی اِمامت میں نماز ادا کرنا:

۱۳/ اگست ۱۹۹۱ء کو کھارادر، کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے، علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری مدّ ظلّہ العالی فرماتے ہیں:

”مسجدِ قصابان ایم۔ اے جناح روڈ، جامع کلاتھ مارکیٹ (کراچی) کے سامنے عید گاہ میں بانیِ پاکستان نے عید کی نماز پڑھی۔۔۔ پاکستان بننے کے تین دن کے بعد بھی بانیِ پاکستان نے نمازِ عید اہلِ سنّت کے امام (شاہ عبد العلیم صدیقی علیہ الرحمۃ) کے پیچھے پڑھی۔“

شاہ صاحب کی تقریر کے اِس مقام پر، جناب مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب زِیْدَ مَجْدُہٗ یوں حاشیہ نگاری کرتے ہیں:

”اِس کے علاوہ ہمیں تاریخ سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ محمد علی جناح نے

93 ”رتّی جناح“، صفحہ ۴۹ تا ۵۰۔

مولانا عبد العلیم صدّیقی کے بڑے بھائی کی اقتدا میں بھی نمازِ عید ادا کی؛ چنانچہ گل محمد فیضی لکھتے ہیں: ’۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے اجلاسِ پٹنہ میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ الگ اسلامی مُلک کا آئین اسلامی ہو گا، اور جب اجلاس نماز کے لیے ملتوی ہوا، تو حضرت قائدِ اعظم نے کُل ارکانِ مسلم لیگ کی معیّت میں مقامی مسجد کے خطیب (جو بریلوی تھے) کی اقتدا میں نمازِ ظہر ادا کی، اِسی طرح بمبئی میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں مولانا نذیر احمد خجندی کی اقتدا میں ادا کیں، مولانا خجندی مرحوم مولانا عبد العلیم میرٹھی کے بڑے بھائی تھے۔ دونوں بھائی اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں کے مریدانِ باصفا تھے[94]‘ (ماہ نامہ ضیائے حرم، لاہور، تحریکِ پاکستان اور علما و مشائخ اہلِ سنّت، مجریہ اگست ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۴)“[95]

روز نامہ ”اوصاف“ کے انٹرویو نگار واحد عباسی اور اے حمید صاحبان کو انٹرویو دیتے ہوئے، ایک سوال کے جواب میں حضرت امام شاہ احمد نورانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قائدِ اعظم محمد علی جناح مسلمان تھے اور بمبئی میں قیام کے دوران میرے

94 نوٹ: حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو ہمیں کوئی حتمی اور درست معلومات حاصل نہیں ہو سکی کہ کس بزرگ کے مرید تھے، لیکن مبلغِ اعظم حضرت شاہ عبد العلیم صدیقی رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ سے ضرور خلافت حاصل تھی، اسی خلافت کی وجہ سے بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہوتے ہوئے، حضرت عبد العلیم صدّیقی کو اعلیٰ حضرت کا مرید لکھ دیتے ہیں، جب کہ آپ اپنے برادرِ اکبر حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی رضی اللہ عنہ کے مرید تھے۔ (ندیم)

95 تخلیقِ پاکستان میں علماءِ اہلِ سنّت کا کردار، ص ۱۴۶ تا ۱۴۷؛ ماہ نامہ ”مصلح الدین“، کراچی، رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ / اگست ۲۰۱۰ء، حاشیہ، ص ۱۴۶ تا ۱۴۷۔

تایا مولانا نذیر احمد صدّیقی کی امامت میں نمازِ عید ادا کرتے تھے۔ قائد کی اہلیہ کو بھی مولانا نذیر احمد صدّیقی نے مشرف بہ اسلام کیا۔"[96]

قائدِ اعظم، مولانا خجندی کو قیمتی شال پیش کرتے تھے:

جناب ظہور الدین خاں امر تسری صاحب (ادارۂ پاکستان شناسی، لاہور) نے بروز پیر، ۸/ ستمبر ۲۰۱۴ء (۱۲/ شوّال المکرّم ۱۴۳۵ھ) کو راقم الحروف (ندیم نورانی) کو درجِ ذیل روایت لکھ کر عنایت کی:

"تحریکِ پاکستان کے ممتاز راہ نما مولانا محمد بخش مسلم بی اے (متوفّٰی: ۱۹۸۷ء) نے ایک ملاقات کے دوران مجھ سے بیان فرمایا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح ہر سال بمبئی میں عید کی نماز مولانا نذیر احمد خجندی کی اقتدا میں ادا کرتے تھے اور اس موقع پر قائدِ اعظم مولانا خجندی کی خدمت میں ایک قیمتی شال پیش کرتے تھے۔"

رتّی پیٹٹ کا دستِ خجندی پر قبولِ اسلام:

قائدِ اہلِ سنّت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی علیہ الرحمہ نے اپنے محوّلۂ بالا انٹرویو میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ قائدِ اعظم کی اہلیہ کو حضرت مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمہ نے مشرف بہ اسلام کیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ:

رتّی پیٹٹ (Ruttie Petit) بنتِ سر ڈِنشا پیٹٹ (Sir Dinshaw Petit) ایک پارسی خاتون تھیں، قائدِ اعظم نے اُن سے نکاح کرنے سے ایک دن پہلے، یعنی جمعرات ۶/ رجب المرجّب ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۸/ اپریل ۱۹۱۸ء کو، اُنھیں

[96] روز نامہ "اوصاف"، اسلام آباد، ۱۸/ فروری، ۲۰۰۱ء، بہ حوالۂ "آئینِ جواں مرداں"، مرتّبۂ مولانا مقبول الرحمٰن کشمیری، صفحہ ۱۸۱۔

حضرت مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمہ کے دستِ حق پرست پر داخلِ اسلام کرایا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا اسلامی نام "مریم بائی" رکھا گیا، لیکن اُنھوں نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ساتھ رشتۂ اِزدِواج میں منسلک ہونے کے بعد "رتّی جناح" کے نام سے زیادہ شہرت پائی؛ رتن بائی اور رتی بائی کے ناموں سے بھی جانی پہچانی جاتی ہیں۔ ولی مظہر صاحب کے مطابق قائدِ اعظم نے رتی پٹیٹ کو حضرت مولانا خجندی کی خدمت میں بھیجا تھا اور جناب رضی حیدر صاحب کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ قائدِ اعظم خود ہی رتی پٹیٹ کو حضرت خجندی کے پاس لے کر حاضر ہوئے تھے۔

چنانچہ جناب ولی مظہر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"قائدِ اعظم کے مزاج اور اسلامی فکر کے پیشِ نظر رتی بائی اسلامی کتب کے مطالعے کے بعد قائدِ اعظم کے پاس صدقِ دل سے اسلام کی حقّانیت قبول کر کے رفیقۂ حیات بننے کی آرزو لے کر گئیں تھیں۔ آپ نے رتی بائی کو مولانا نذیر احمد خجندی میرٹھی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ موصوف بمبئی کے مقتدر اور ممتاز علما میں سے تھے، اور مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ مرحوم (مولانا آزاد کے والد) کی مسجد کے خطیب اور مفتی تھے۔ رتی بائی نے مولانا خجندی کے ہاتھ پر ۱۸/ اپریل ۱۹۱۸ء کو اسلام قبول کیا۔"[97]

اور خواجہ رضی حیدر صاحب لکھتے ہیں:

"محمد علی جناح فوری طور پر چند دوستوں کے مشورے سے، جن میں عمر سوبانی بھی تھے، رتّی پیٹٹ کو بمبئی کی جامع مسجد لے گئے۔ جہاں رتّی نے ۱۸/ اپریل ۱۹۱۸ء کو مولانا نذیر احمد خجندی کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کر لیا۔ رتّی پیٹٹ کا اسلامی نام

[97] "عظیم قائد — عظیم تحریک"، ص ۲۴۲، ۲۴۷۔

مریم بائی رکھا گیا۔۔۔"[98]

خواجہ رضی حیدر اپنی تصنیف "رتّی جناح" کے انگریزی ترجمے میں رقم طراز ہیں:

"It is worth noting that Ruttie converted to Islam in front of a religious scholar, Maulana Nazeer Ahmad Khujandi on Thursday, the 6th of the Islamic month of Rajab, the date which is observed among Indian Muslims as the anniversary of the great Saint Khwaja Moinduddin Chishti Ajmeri. Syed Sharifuddin Pirzada, *Some Aspects of Quaid-i-Azam's Life* (Islamabad: NIHCR, 1978), p. 46. See also Rais Ahmad Jaffri, *Quaid-i-Azam aur un ka ahd* (Lahore: Maqbool Academy, n.d.), pp. 73, 75, 76."[99]

عقیل عباس جعفری لکھتے ہیں:

"۱۸/ اپریل ۱۹۱۸ء کو اس بہادر اور نڈر لڑکی نے بمبئی میں مولانا خیر الدین (مولانا آزاد کے والد) کی جامع مسجد میں مولانا نذیر احمد خجندی کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔ ان کا اسلامی نام مریم رکھا گیا، تاہم وہ رتن بائی کے نام سے ہی معروف رہیں۔"[100]

---

98 "رتّی جناح"، صفحہ ۴۶۔

99 "*Ruttie Jinnah*", Notes, p. 31.

100 "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی"، صفحہ 47؛ جدید ایڈیشن، صفحہ 43۔

قائدِ اعظم کا دوسرا نکاح کس نے پڑھایا؟ — ایک تحقیق:

قائدِ اعظم کا دوسرا نکاح رتّی پیٹٹ بنتِ سر ڈنشا پیٹٹ (Sir Dinshaw Petit) سے ہوا۔

یہ نکاح کس نے پڑھایا؟

اس سوال کے جواب میں حسبِ ذیل دو نام ملتے ہیں:

پہلا نام: مولانا نذیر احمد خجندی (سنّی عالم) کا ہے۔

اور یہی روایت اَشہر (زیادہ مشہور) ہے۔

چنانچہ قائدِ اہلِ سنّت قائدِ ملّتِ اسلامیہ مبلّغِ اسلام حضرت علّامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

"میرے تایا ابّا (نذیر احمد خجندی) بمبئی میں رہتے تھے؛ قائدِ اعظم سے بھی اُن کے بڑے قریبی مراسم تھے۔ قائدِ اعظم نے جن (خاتون) سے شادی کی تھی، وہ پارسی تھیں؛ اُن کو مسلمان بھی کیا اور نکاح بھی پڑھایا؛ آزاد میدان بمبئی میں نمازِ عید پڑھاتے تھے، قائدِ اعظم وغیرہ بھی وہیں تشریف لے جاتے تھے۔"[101]

حضرت قائدِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک دوسرے انٹرویو میں فرماتے ہیں:

"میرے ایک حقیقی چچا مولانا نذیر احمد صدّیقی میرٹھ سے ممبئی (جسے اُس وقت بمبئی کہتے تھے) تشریف لے گئے۔ وہاں وہ بہت جلد مسلمانوں کو منظّم کرنے میں کام یاب ہوگئے، اُنھیں آزاد میدان بمبئی کی بڑی مسجد کا خطیب اور امام

---

101 مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ویڈیو کیسٹ، ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

مقرر کیا گیا۔ اسی مسجد میں قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی نماز کے لیے آتے تھے، وہ مولانا نذیر احمد صدّیقی علیہ الرحمۃ کی تقاریر سے متاثّر ہوئے اور پھر نظریاتی ہم آہنگی اور جدّ و جہد کے سلسلے میں ہم خیالی نے دونوں بزرگوں کو بہت قریب کر دیا اور یہ قرب اتنا بڑھا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی بیوی (رتن بائی) نے مولانا نذیر احمد صدّیقی علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا (اُن کا اسلامی نام مریم رکھا گیا) اور مولانا نے ہی ان دونوں (محمد علی جناح اور مریم) کا نکاح پڑھایا اور رشتہ ازدواج میں منسلک کیا۔ اس ایک واقعے سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے تعلّقات بانیِ پاکستان کے ساتھ کتنے قریبی تھے۔"[102]

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی رحمۃ اللہ علیہا نے بھی اپنے انٹرویوز میں یہی ارشاد فرمایا ہے، نیز راقم السطور (ندیم احمد ندیم نورانی) سے بھی ڈاکٹر صاحبہ نے یہی فرمایا تھا کہ قائدِ اعظم کا نکاح اُن کے تایا حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا۔

دوسرا نام: مولانا حسن نجفی (شیعہ عالم) کا ہے۔

ہماری اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ روایت مشکوک اور تذبذب کا شکار ہے کہ مولانا حسن نجفی صاحب نے قائدِ اعظم کا نکاح پڑھایا۔ اس پر ہم آگے چل کر اپنے معروضات پیش کریں گے، اس سے پہلے حسن نجفی صاحب کے نکاح پڑھانے سے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

جناب ولی مظہر صاحب نے قائدِ اعظم کے نکاح کے گواہ اور قاضی (نکاح خواں) کے نام یوں لکھے ہیں:

102 ماہ نامہ "السعید"، ملتان، جون ۱۹۹۹ء، ص ۵۱ تا ۵۲، بحوالہ "قائدِ اعظم کا مسلک"، مرتّبہ مولانا سیّد صابر حسین شاہ بخاری، صفحہ 378۔

"شریف دیو جی، کانجی محمد عمر سوبانی، راجہ آف محمود آباد گواہ بنے اور مولانا حسن نجفی نے نکاح پڑھایا۔"[103]

خواجہ رضی حیدر صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ رتی نے جمعرات کے دن اسلام قبول کیا۔ اس دن ہجری سن کے مطابق رجب المرجّب کی چھ تاریخ تھی، جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے عرس کی تاریخ ہے۔ اس تاریخ کو پہلے عمر سوبانی اور بعد میں محمد علی منیار پابندی کے ساتھ محمد علی جناح کے یہاں 'خواجہ کی نیاز بھیجا کرتے تھے۔ ۱۹/ اپریل ۱۹۱۸ء بروز جمعہ صبح ۹/ بجے قائدِ اعظم کی کوٹھی پر ہی رتی اور محمد علی جناح اسلامی طریقے کے مطابق رشتہ اِزدِواج میں منسلک ہوگئے (دیکھیے ۱۹/ اپریل ۱۹۱۹ء کا 'اسٹیٹس مین کلکتہ' سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور اور پیسہ اخبار لاہور)۔

محمد علی جناح اور رتن بائی کا نکاح فقہِ جعفریہ کے مطابق ہوا۔ رتن بائی کی طرف سے مولانا محمد حسن نجفی اور محمد علی جناح کی طرف سے شریعت مدار آقائے حاجی محمد عبد الہاشم نجفی نے نکاح نامے پر دستخط کیے، جب کہ گواہان اور وکلاء میں شریف دیو جی کانجی، عمر سوبانی، راجہ محمد علی محمد خاں آف محمود آباد اور غلام علی شامل تھے۔ اگلے دن پھر اخبار نے رتی اور جناح کی شادی کے حوالے سے خبریں شائع کیں۔ لاہور کے اردو اخبار 'روز نامہ پیسہ' نے ۲۱/ اپریل ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں 'مسٹر جناح کی شادی' کے عنوان سے خبر شائع کی۔ اس نے لکھا '۱۸/ اپریل کو بمبئی کے مشہور پارسی بیرونٹ سر ڈنشا کی دختر رتی بائی نے اسلام قبول کر لیا۔ ۱۹/ اپریل کو ان کی شادی مشہور بیرسٹر آنریبل محمد علی جناح سے ہوگئی'۔

103 "عظیم قائد — عظیم تحریک"، ص ۴۴۷۔

شریف الدین پیر زادہ نے لکھا ہے کہ نکاح کے رجسٹر میں اندراج نمبر ۱۱۸ کے تحت اس واقعے کا تذکرہ موجود ہے۔

نکاح نامہ فارسی میں تحریر کیا گیا تھا، جس کی عبارت یوں تھی:

’یوم جمعہ وقت غروب از روز ہفتم رجب ۱۳۳۹ھ در والکشور در بنگلہ محمد علی جینا عقد دائمی واقع شدیم، جناب محترم مسٹر محمد علی جناح ولد جینا خوجہ اثناء عشری وعلیا محترمہ باکرہ بالغہ رشیدہ رتن بائی بنت ڈین شاہ پٹیٹ فارسی بمصداق معین ۱۰۰۱ روپیہ و مبلغ (۱۲۵۰۰۰) روپیہ عطیہ بوئی دادہ، وکیل زوجہ حضرت شریعت مدار قبلہ آقائے حاجی شیخ ابو الہاشم نجفی مد ظلہ العالی و وکیل زوجہ محمد علی خاں راجہ محمود آباد بود، وکیل زوجہ رتن بائی و محترم مکرم غلام علی خوجہ اثناء عشری و مسٹر شریف بھائی دیوجی خوجہ اثنا عشری و عمر سوبانی جمعہ برائے شہادت حاضر بودن‘۔“[104]

رضی حیدر صاحب نے مندرجۂ بالا اقتباس میں قائدِ اعظم کے نکاح نامے کی عبارت کو واضح کر کے لکھا ہے۔ انھوں نے اپنی محوّلۂ بالا کتاب ”رتی جناح“ کے صفحہ ۲۴۵ پر قائدِ اعظم کے نکاح نامے کا عکس بھی دیا ہے۔

عقیل عباس جعفری صاحب نے بھی اپنی کتاب ”قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی“ میں قائدِ اعظم کے نکاح نامے کا عکس شائع کیا ہے، اور عکس کے نیچے اس کا حسبِ ذیل اردو ترجمہ بھی دیا ہے:

”نمبر (۱۱۸) بروز جمعرات مغرب ۷ رجب ۱۳۴۹ھ بمقام بنگلہ محمد علی جینا۔ جناب محترم مسٹر محمد علی ولد جینا اثنا عشری وعالیہ محترمہ باکرہ بالغہ رشیدہ رتن بائی بنتِ ڈنشا کا عقدِ دائمی ہوا۔ جس کا مہر ۱۰۰۱ روپیہ اور عطیہ ۱۲۵۰۰۰ مقرر ہوا۔ زوجہ کے

104 ”رتی جناح“، ص ۴۶ تا ۴۸، ۵۱۔

وکیل شریعت مدار قبلہ آقائے حاجی شیخ ابو القاسم مد ظلہ العالی اور وکیل زوج مسٹر محمد علی خان راجہ محمود آباد اور رتن بائی کے وکیل مقرر کرنے کے گواہ محترم و مکرم غلام علی وکیل خوجہ اثنا عشری و مسٹر شریف بھائی دیوجی خوجہ اثنا عشری و عمر سوبانی۔“[105]

مزید برآں، عقیل عباس جعفری لکھتے ہیں:

”۱۹/ اپریل ۱۹۱۸ء کو رجب ۱۳۳۹ھ کی ۷ تاریخ تھی، جو ایک روایت کے مطابق اہلِ تشیع کی ایک بڑی محترم شخصیت حضرت عباس کا یومِ ولادت ہے، جمعہ کا دن تھا اور مقام ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر واقع قائدِ اعظم محمد علی جناح کا بنگلہ ’ساؤتھ کورٹ‘ تھا، جہاں رتن بائی اور قائدِ اعظم محمد علی جناح رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

یہ نکاح مولانا حسن نجفی نے اثنا عشری عقائد کے مطابق پڑھایا۔ اس نکاح میں رتن بائی کے وکیل شریعت مدار آقائے حاجی شیخ ابو القاسم نجفی اور قائدِ اعظم کے وکیل جناب محمد علی خاں راجہ صاحب محمود آباد بنے۔ جب کہ محترم غلام علی، شریف بھائی دیوجی اور عمر سوبانی نے بطورِ گواہان نکاح نامے پر دستخط کیے (محمد وصی خان۔ تشکیلِ پاکستان میں شیعانِ علی کا کردار، (حصہ دوم) ادارہ محفل حیدری، کراچی، ص: ۴۸۲)۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ نکاح بمبئی کے مجتہد شیخ مولانا حسن نجفی صاحب نے پرنس اسٹریٹ پر واقع اپنے مکان میں پڑھایا تھا اور قائدِ اعظم کے رشتے کے بھائی رجب علی بھائی ابراہیم باٹلی والا نے نہ صرف اس نکاح میں بطورِ گواہ شرکت کی تھی بلکہ انھی نے اس نکاح کا رجسٹریشن پالا گلی مسجد میں بھی کروایا تھا (محمد عزیز حاجی ڈوسا۔ Till death they part روزنامہ ڈان، کراچی۔ ۲۰/ اپریل ۱۹۹۰ء)۔ پالاگلی

105 ”قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی“، قدیم ایڈیشن، صفحہ 46؛ جدید ایڈیشن، صفحہ 45۔

مسجد کے نکاح رجسٹر میں اس نکاح کا اندراج اس طرح ملتا ہے:

'Item No 118, date April 19, 1918 Rajab seventh (Villadat of our Maula Alumdar Hazrat Abbas- peace be upon him) Meher: Rs 1001/= Gift RS 125000/= Pesh Imam Maulana Hasan Najafi- Witness: Rajab Ali Bhai Ebrahim Batiwala, etc.'

اس نکاح نامے کے مطابق مہر کی رقم مبلغ ایک ہزار ایک روپے مقرر ہوئی تھی جبکہ محمد علی جناح نے اپنی دلہن کو سوا لاکھ روپے بطورِ تحفہ پیش کیے تھے (حاجی ڈوسا۔THE HOUSE THAT JINNAH BUILT روز نامہ ڈان، کراچی۔ ۱۲/ اگست ۱۹۹۴ء)۔"[106]

نکاح نامے کے عکس کی حقیقت:

مولانا حسن نجفی صاحب کے نکاح پڑھانے والی روایتیں تذبذب کا شکار:

قائدِ اعظم کے جس نکاح نامے کے عکس کو دلیل بنا کر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کا نکاح شیعہ عالم مولانا محمد حسن نجفی صاحب نے پڑھایا تھا، اس کے متعلق ہماری حسبِ ذیل چند معروضات ملاحظہ ہوں:

1۔ اس نکاح نامے کے عکس میں حسن نجفی صاحب کا سرے سے نام ہی نہیں ہے اور جب ہم نے یہ بات عقیل عباس جعفری صاحب سے کہی تھی تو وہ یہ سن کر چونک بھی پڑے تھے۔

2۔ پالا گلی مسجد کے نکاح رجسٹر میں نکاح کے اندراج (آئٹم نمبر 118) کی جو

106 "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی"، ص ۴۷ تا ۴۸؛ جدید ایڈیشن ص ۴۴ تا ۴۵۔

عبارت نقل کی گئی ہے، اُس میں حسن نجفی کا نام اس طرح دیا گیا ہے: "پیش امام مولانا حسن نجفی"، لیکن اُس اندراج میں جس گواہ کا نام دیا گیا ہے یعنی "رجب علی بھائی ابراہیم باٹی والا" اُس کا نام نکاح نامے کے عکس میں موجود گواہوں کے نام میں شامل نہیں۔ اس طرح نکاح نامے کا وہ اندراج اور عکس آپس میں اختلاف کا شکار ہوتے نظر آتے ہیں۔

3۔ "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی" کے مندرجۂ بالا اقتباس کے مطابق نکاح کے مقام سے متعلق دو الگ الگ روایتیں ہیں:

ا۔ ایک روایت کے مطابق یہ نکاح ماؤنٹ پلیزئٹ روڈ پر واقع قائدِ اعظم محمد علی جناح کے بنگلہ 'ساؤتھ کورٹ' پر ہوا۔

۲۔ اور دوسری روایت کے مطابق "یہ نکاح بمبئی کے مجتہد شیخ مولانا حسن نجفی صاحب نے پرنس اسٹریٹ پر واقع اپنے مکان میں پڑھایا تھا"۔

3۔ خواجہ رضی حیدر صاحب کی تصنیف "رتی جناح" (صفحہ ۲۴۵) میں شامل نکاح نامے کے عکس کے مطابق یہ نکاح جمعہ ۷/ رجب ۱۳۴۹ھ کو، جب کہ اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۷۴ پر موجود نکاح نامے کی عبارت کے مطابق ۱۳۳۹ھ کو ہوا؛ اور عقیل عباس جعفری صاحب کی تصنیف "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی" (قدیم ایڈیشن، صفحہ 46؛ جدید ایڈیشن صفحہ 45) میں شامل نکاح نامے کے عکس اور اسی کتاب میں موجود اُس عکس کے نیچے نکاح نامے کے اردو ترجمے کے مطابق قائدِ اعظم کا رتی پیٹٹ سے نکاح بروز جمعۃ المبارک ۷/ رجب المرجّب ۱۳۴۹ھ کو ہوا؛ جب کہ تاریخی شواہد، بلکہ خود "رتی جناح" اور "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی" اور ان دونوں کتب میں موجود ۲۴/ اپریل ۱۹۱۸ء کے روزنامہ "پیسہ" وغیرہ کے عکس سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ یہ نکاح ۱۹۱۸ء میں ہوا، اور ۱۹۱۸ء کو نہ تو ۱۳۴۹ھ تھا اور نہ ۱۳۳۹ھ؛ بلکہ تاریخی

واقعات و شواہد اور ہجری و عیسوی تقویم کے مطابق اپریل 1918ء کو ۱۳۳۶ ہجری تھا۔ جناب ولی مظہر صاحب نے بھی قائدِ اعظم کے نکاح کا سن "۱۳۳۶ھ" ہی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"رتی بائی نے مولانا خجندی کے ہاتھ پر ۱۸/ اپریل 1918ء کو اسلام قبول کیا اور دوسرے روز ۱۹/ اپریل ۱۹۱۸ء مطابق ۷/ رجب المرجّب ۱۳۳۶ھ بروز جمعۃ المبارک رتی بائی بالعوض ایک ہزار روپیہ مہر قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حبالۂ عقد میں آ گئیں۔"[107]

4۔ ۱۳۴۹ھ میں تو محترمہ رتی جناح ایک بچی (دینا) کو چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت بھی ہو چکی تھیں۔

تو پھر یہ نکاح نامہ کس طرح درست ہو سکتا ہے؟؟؟

نوٹ: جب ہم نے خواجہ رضی حیدر صاحب سے یہ دریافت کیا کہ آپ نے نکاح نامے کا یہ عکس کہاں سے لے کر اپنی کتاب "رتی جناح" میں شائع کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ جب قائدِ اعظم پر یہ الزام لگایا جا رہا تھا کہ اُنہوں نے ایک کافرہ سے شادی کی تھی تو اس کے جواب میں کچھ اخبارات میں نکاح نامے کا یہ عکس شائع ہوا تھا۔ یعنی قائدِ اعظم کی شادی کے ۲۸/ سال بعد ۱۹۴۶ء میں نکاح نامے کا مذکورہ عکس شائع ہوا تھا۔ ہم نے رضی حیدر صاحب کی توجہ اِس جانب مبذول کرائی کہ قائدِ اعظم کی شادی تو ۱۹۱۸ء میں ہوئی تھی اور ۱۹۱۸ء میں تو سنِ ہجری ۱۳۳۶ تھا، اور اُس عکس میں ۱۳۴۹ھ لکھا ہے، تو اس پر رضی حیدر صاحب بڑے حیران ہوئے اور فرمانے لگے کہ "ارے میاں میری اِس کتاب (رتی جناح) کو بڑے بڑے لوگوں نے پڑھا ہے، لیکن کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا، سب نے کتاب کو سراہا ہے"۔ اس پر ہم نے عرض کیا کہ اگرچہ اُن بڑے

---

107 "عظیم قائد — عظیم تحریک"، ص ۴۴۷۔

بڑے لوگوں کی توجّہ اِس جانب نہیں گئی، لیکن یہ ہے تو حقیقت کہ اس عکس میں ۱۳۴۹ھ لکھا ہے۔ اب فرمائیں کہ میں اپنی کتاب میں کیا لکھوں؟ اس پر جناب رضی حیدر صاحب نے اپنے بڑے پن اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جو آپ کی تحقیق ہے آپ اُس کے مطابق ہی لکھیں، میں اِس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تحقیقی بات لکھی جائے"۔

45

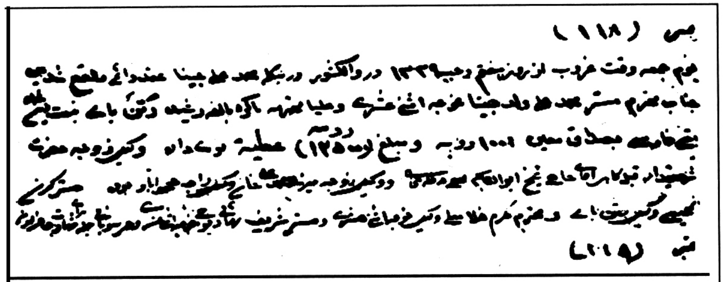

اردو ترجمہ: نمبر (۱۱۸) بروز جمعرات مغرب ۷ رجب ۱۳۴۹ھ بمقام بنگلہ محمد علی جینا۔ جناب محترم مسٹر محمد علی ولد جینا خوجہ اثنا عشری دعالیہ محترمہ باکرہ بالغہ رشیدہ رتن بائی بنت ڈنشا کا عقد دائمی ہوا۔ جس کا مہر ۱۰۰۱ روپیہ اور عطیہ ۲۵۰۰۰ روپے مقرر رہوا۔ زوجہ کے وکیل شریعت مدار قبلہ آقائے حاجی شیخ ابوالقاسم مدظلہ العالی اور وکیل زوج مسٹر محمد علی خان راجہ محمود آباد اور رتن بائی کے وکیل مقرر کرنے کے گواہ محترم و مکرم غلام علی وکیل خوجہ اثنا عشری و مسٹر شریف بھائی دیوجی خوجہ اثنا عشری و عمر سوبانی۔

قائداعظم اور رتن بائی کا نکاح نامہ اور اس کا ترجمہ

"قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی" میں قائدِ اعظم کے نکاح نامے اور اس کے ترجمے کا عکس؛ نیز، نکاح نامے کا یہی عکس (بلا ترجمہ) "رتی جناح" میں بھی ہے۔

مولانا خجندی کے نکاح پڑھانے والی روایات کی ترجیح:

اب ذرا غور فرمائیں کہ

1۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قائدِ اعظم نے اپنی شادی سے ایک روز قبل اپنی ہونے والی زوجہ رتی پٹیٹ کو ایک سنّی عالم حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کروایا۔ تو یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اُس کے صرف ایک ہی دن بعد شیعہ عالم سے اپنا نکاح پڑھوائیں؛ لہٰذا، قرینِ قیاس اور اغلب گمان یہی ہے کہ نکاح بھی مولانا خجندی ہی سے پڑھوایا ہو۔

2۔ خود اُنھی کتابوں سے، جن میں مولانا حسن نجفی صاحب کے نکاح پڑھانے کا ذکر ہے، یہ بات ثابت ہے کہ قائدِ اعظم کا نکاح مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا۔

چنانچہ ولی مظہر صاحب نے قائدِ اعظم وغیرہ کی ایک تصویر شائع کی اور اُس تصویر کے نیچے یہ توضیحی عبارت (Caption) لکھی:

”قائدِ اعظم بمبئی مسلم لیگ کے اجلاس سے مخاطب ہیں۔ مولانا خجندی جنھوں نے آپ کا نکاح پڑھایا دائیں جانب پگڑی پہنے بیٹھے ہیں۔“[108]

عقیل عباس جعفری صاحب نے بھی یہی تصویر مندرجۂ ذیل توضیحی عبارت (Caption) کے ساتھ شائع کی:

”قائدِ اعظم بمبئی مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں۔ مولانا خجندی جنھوں نے آپ کا نکاح پڑھایا تھا دائیں جانب پگڑی پہنے بیٹھے ہیں۔“[109]

---

108 ”عظیم قائد — عظیم تحریک“، ص ۳۴۷۔

109 ”قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی“، اشاعت: ۱۹۹۵ء، صفحہ 46۔

عقیل عباس جعفری صاحب نے جب ہم سے یہ اعتراض کیا تھا کہ:

”آپ لوگ تحقیق کے برخلاف یوں ہی بغیر کسی دلیل کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ قائدِ اعظم کا نکاح مولانا نذیر احمد خجندی صاحب نے پڑھایا تھا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کا نکاح مولانا حسن نجفی صاحب نے پڑھایا تھا۔“

تو ہم نے اُن سے یہی کہا تھا کہ آپ نے اپنی کتاب میں تصویر کے نیچے جو کیپشن لگایا ہے اُس سے تو خود یہی ثابت ہوتا ہے کہ قائدِ اعظم کا نکاح مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے پڑھایا تھا، تو اس پر وہ کہنے لگے کہ وہ پرانی بات ہے، جب ہم نے تحقیق کی تو نئے ایڈیشن میں ایسا کچھ نہیں لکھا، اور جب نئی تحقیق آتی ہے تو پرانے ایڈیشن میں نئی تحقیق کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ منسوخ ہو جاتی ہے۔ ہم عقیل عباس صاحب کی اِس بات سے متفق ہیں؛ لیکن ہم مذکورۂ بالا کتاب کے نئے ایڈیشن میں موجود اُن کی جدید تحقیق کا بھی بِعَوْنِ اللہِ تَعَالٰی گزشتہ سطور میں جواب دے چکے ہیں۔

قائدِ اعظم کے نکاح کے قاضی سے متعلق ہمارے نزدیک جو حق تھا وہ ہم نے ہدیۂ قارئین کر دیا ہے۔ اگر اس سے متعلق ہماری تحقیق کے خلاف کسی صاحب کے پاس کوئی ٹھوس دلائل ہوں تو وہ پیش کر سکتے ہیں؛ ان شاء اللہ، وہ ہمیں حق کو تسلیم کرنے والا پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق دکھائے، حق لکھنے کی توفیقِ رفیق بخشے اور حق کو تسلیم کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

آمین! بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

والحمد للہ ربّ العالمین۔

قائدِ اعظم پر غیر مسلمہ سے شادی کرنے کا افترا و بہتان:

خواجہ رضی حیدر صاحب لکھتے ہیں:

"رتی پٹیٹ نے محمد علی جناح سے شادی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا اور اُن کی شادی شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جس وقت یہ شادی ہوئی تو کسی بھی مسلمان نے اس شادی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ غیر مسلموں کی جانب سے کی جانے والی احتجاجی کارروائیوں اور اعتراضات کا جواب مسلم اخبارات نے بڑی شد و مد سے دیا، لیکن اس شادی کے تقریباً ۲۸/ سال بعد جب کہ محمد علی جناح اسلامیانِ ہند کے قائدِ اعظم کی حیثیت سے حصولِ پاکستان کے لیے جدّ وجہد میں مصروف تھے، مجلسِ احرار اور جمعیتِ علماءِ ہند کے بعض معتبرین نے جو کانگریس کی کاسہ لیسی میں تاویلات سے 'قرآن' کو 'پاژنگ' بنانے کی مزموم کوششوں میں لگے ہوئے تھے، قائدِ اعظم کی حیثیت کو گھٹانے اور مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لیے اس شادی کو غیر اسلامی قرار دے دیا، خصوصاً مجلسِ احرار کے ناظمِ اعلیٰ مولانا مظہر علی اظہر، تحریکِ خاکسار کے قائد علّامہ عنایت اللہ مشرقی اور مولانا حسین احمد مدنی نے، جو بیک وقت جمعیت علماءِ ہند اور دار العلوم دیوبند کے سربراہ کی حیثیت میں کام کر رہے تھے، ۱۹۴۵ء میں محمد علی جناح کی رتی پٹیٹ سے شادی کے متعلّق بلا تحقیق کہہ دیا کہ ۱۹۱۸ء میں محمد علی جناح نے رتی پٹیٹ سے سول میرج کی تھی، جو یقیناً غیر اسلامی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی اس ضمن میں اتنے سرگرم تھے کہ انھوں نے 'سول میرج اور لیگ' کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھ دیا۔

مولانا مدنی نے اس کتابچے میں ہر ممکن کوشش کی ہے کہ وہ محمد علی جناح کی شرعی شادی کو غیر اسلامی قرار دے دیں، لیکن دلائل و براہین خود اس امر کے غمّاز ہیں کہ وہ غلط بات پر اصرار کر رہے ہیں۔۔۔"[110]

110 "رتی جناح"، صفحہ ۶۱ تا ۶۲۔

رئیس احمد جعفری رقم طراز ہیں:

"جب نئے انتخابات کی ہماہمی شروع ہوئی، تو مجلسِ احرار کے روحِ رواں مسٹر مظہر علی اظہر اور تحریکِ خاکسار کے بانی اور علم بردار مسٹر عنایت اللہ مشرقی نے علی الاعلان برسرِ عام مسٹر جناح پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے ایک غیر مسلمہ سے سول میرج کی تھی، اور یہ کہ خود مسٹر جناح کا اسلام مشکوک و مشتبہ ہے، اس لیے کہ جو قرآنی احکام کو ٹھکرا کر ایک غیر مسلمہ سے شادی کرے وہ کافر نہیں تو کیا ہے؟ مسٹر مظہر علی اظہر نے تو بھرے جلسے میں ایک فی البدیہہ شعر بھی ارشاد فرمادیا۔

اک 'کافرہ' کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ 'کافرِ اعظم' ہے کہ ہے 'قائدِ اعظم'

حالاں کہ دنیا جانتی ہے کہ مسٹر جناح نے مسٹر آصف علی، مسٹر ہمایوں کبیر اور ڈاکٹر خاں صاحب وغیرہ کی سنّت پر عمل کر کے 'سول میرج' نہیں کی، بلکہ ایک مسلمہ سے شادی (کی ہے)۔"[111]

رتی جناح کے اسلام سے متعلق مولانا خجندیؔ کی تصدیق:

خواجہ رضی حیدر صاحب فرماتے ہیں:

"یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۱۸/ اپریل ۱۹۱۸ء کو رتی پٹیٹ نے جامع مسجد بمبئی کے پیش امام اور معروف عالمِ دین مولانا نذیر احمد خجندی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور اس افترا و بہتان طرازی کے دور میں وہ حیات تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک بیان کے ذریعے اس امر کی تصدیق کی تھی کہ رتی پٹیٹ نے اُن کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور

111 "قائدِ اعظم اور اُن کا عہد"، ص ۷۵ تا ۷۶۔

مسٹر جناح کی شادی شرعی طریقے پر ہوئی تھی۔"[112] ---"مولانا نذیر احمد خجندی کا بیان مطبوعہ روزنامہ 'ہمدرد'، دہلی، ۱۸/ فروری ۱۹۴۶ء۔"[113]

قائدِ اعظم کو مولانا خجندیؔ کا منظوم خراجِ تحسین:

مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۵/ دسمبر ۱۹۴۶ء کو قائدِ اعظم محمد علی جناح کی سترھویں سالگرہ کی تقریب میں، جو بمبئی میں منعقد کی گئی تھی، قائدِ اعظم کی شان میں ایک فی البدیہہ نظم کہہ کر سنائی؛ جسے ہم نے، پیشِ نظر کتاب میں، مولانا خجندیؔ کی شاعری کے باب میں نقل کیا ہے۔

قائدِ اعظم کے والد، اہلیہ وغیرہما کی قبور:

یہاں ہم قارئینِ کرام کی معلومات میں اضافے کے لیے جناب خواجہ رضی حیدر صاحب کا حسبِ ذیل مختصر اقتباس پیش کر رہے ہیں، جس میں آپ رتی جناح وغیرہا کی تدفین سے متعلق رقم طراز ہیں:

"مزید بر آں، رتی پٹیٹ کی تدفین بھی اسلامی طریقے پر ہوئی اور اُن کی قبر آج بمبئی کے 'خوجہ سنّت جماعت قبرستان' میں موجود ہے۔ واضح رہے کہ اسی قبرستان میں قائدِ اعظم کے والد 'جناح پونجا'، قائدِ اعظم کی بہن 'رحمت بائی' اور قائدِ اعظم کے ایک بھانجے 'بیرسٹر اکبر پیر بھائی' کی بھی قبور موجود ہیں۔"[114]

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

112 "رتی جناح"، صفحہ ۶۶۔

113 "رتی جناح"، صفحہ ۷۰۔

114 "رتی جناح"، ص۶۶۔

گیارھواں باب:

مولانا خجندیؔ بہ حیثیتِ مُناظِر

حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ اپنے اور بھائیوں کی طرح ایک باکمال اور بڑے زبردست مُناظر بھی تھے، آپ کی للکار سے مخالفین کانپتے تھے، تھرتھراجاتے تھے اور مختلف بہانے بنا کر مناظروں سے راہِ فرار اختیار کر جاتے تھے۔

چنانچہ جناب امداد صابری لکھتے ہیں:

"آپ (مولانا خجندیؔ) اچھے مُناظر تھے، کئی مناظرے اُنھوں نے آریوں سے کیے۔"[115]

خواجہ رضی حیدر صاحب فرماتے ہیں:

"مولانا نذیر احمد خجندی نے جمعیت علماءِ ہند کی جانب سے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کا شدید نوٹس لیتے ہوئے متعدد بار جمعیت کے رہنماؤں کو مناظرے کا چیلنج کیا۔"[116]

علمائے دیوبند کے نام، مولانا خجندیؔ کے خطوط:

حضرت مولانا خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے دو(۲) خطوط ہم نے پیشِ نظر کتاب کے بارھویں باب میں، شامل کیے ہیں؛ جن میں انھوں نے علمائے دیوبند کو مناظرے کی دعوت دی تھی۔

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

115 "تذکرہ شعراءِ حجاز"، صفحہ ۳۸۸۔

116 "رتّی جناح"، صفحہ ۵۰۔

بارھواں باب:

مولانا خجندؔی کی ادبی و قلمی خدمات

نثر:

مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی جہاں، تعلیمی، قومی، ملّی، سیاسی خدمات باعثِ افتخار ہیں؛ وہیں آپ کی قلمی نگارشات بھی لائقِ صد تحسین ہیں۔ صحافی کی حیثیت سے بھی آپ نے قلمی خدمات انجام دیں، اور اس کے علاوہ بھی نثر اور نظم ہر دو صورتوں میں اپنے ادبی شہ پارے یادگار چھوڑے؛ جن میں سے بہت سا حصّہ، بدقسمتی سے، اب نایاب ہو چکا ہے؛ لیکن اللہ تبارك و تعالیٰ کے فضل و کرم سے، تلاشِ بسیار کے بعد، مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ تحریریں ہمیں دستیاب و دریافت ہو سکیں ہیں، جنھیں عام کرنے کی نیت سے ہم آئندہ سطور میں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ اِس باب میں، حضرت مولانا خجندؔی کی بعض نثری تحریریں پیش کی جائیں گی اور اگلے باب میں آپ کی شاعری کے حوالے سے گفتگو کے ساتھ ساتھ، آپ کے کچھ منظومات بھی، جو ہمیں مختلف کتب و رسائل سے متفرق طور پر میسّر آ سکے ہیں؛ نقل کر کے، یک جا مرتّب کیے جائیں گے۔

مولانا خجندؔی کا ایک مضمون:

مولانا خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی تحاریر کا آغاز ہم آپ کے ایک مضمون سے کرتے ہیں، جو ماہ نامہ ''شاہ راہ''، بمبئی میں ماہِ ربیع الاوّل شریف کے موقع پر بہ عنوان: ''بعثتِ نبی ﷺ'' شایع ہوا تھا۔

''بعثتِ نبی ﷺ''

از حضرت علّامہ خطیب العلما مولانا نذیر احمد صاحب خجندؔی مدّ ظلّہ العالی،
مقیم بمبئی

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ط[117]

حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے زمانے سے پانسوں اکتیس سال بعد دنیا کا رنگ یہ دیکھا جاتا ہے کہ روئے زمین پر ہر سمت ظلمتِ شرک و جہالت چھائی ہوئی ہے۔ خصوصاً جہاں خدا کے خلیل حضرت ابراہیم اور اُن کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل (عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیۡہِمَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام) نے خانۂ خدا (کعبہ) کی بنیاد رکھتے ہوئے ربّ الارباب سے تین دعائیں مانگی تھیں:

(۱) اے ہمارے پالنے والے! تو ہماری طرف سے (یہ تعمیرِ کعبہ کی خدمت) قبول فرما۔ تو ہی (ہماری دعاؤں کو) سنتا اور (ہمارے دل کے ارادوں کو) جانتا ہے۔

(۲) اے ہمارے پالنے والے! تو ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد سے اپنی فرماں بردار ایک اُمّت پیدا کر۔ تو ہمیں حج کے طریقے سکھا اور (ہماری خطاؤں پر) معاف فرما؛ تو ہی اصل معاف کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

(۳) اے ہمارے پالنے والے! تو اُس (ہماری آیندہ اولاد اور اُمّتِ مسلمین) میں ایک رسول مبعوث فرما، جو اُن میں (علی الاعلان) تیری آیتیں پڑھے، ان کو کتاب (کلام

---

[117] سورۃ التّوبۃ: ۳۳۔ ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ (کنز الایمان)

اللہ) اور دانائی کی باتیں سکھائے اور ان کی اصلاح کرے، اصل زبردست حکمت والا تو ہی ہے۔

وہی مُلک عجیب بلاؤں میں پھنسا ہوا ہے۔ شراب خواری، زناکاری، قمار بازی جیسے افعالِ قبیحہ کے سوا جو۔۔۔۔۔ داخلِ عادات تھے۔ ان کے نزدیک ذرا ذرا سی بات پر قبیلوں کے قبیلوں کا لڑ کٹ کر مر جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ کسی کو اپنا داماد بنانا ان لوگوں میں سخت عیب سمجھا جاتا ہے۔ اسی سبب سے زندہ لڑکیوں کو گڑھا کھود کر داب دینا بہت آسان ہے، اور انسانی ہمدردی ان میں ذرا بھی اثر پذیر نہ ہوئی۔ بت پرستی کو اس قدر ترقّی کہ خانۂ کعبہ کے چہار طرف تین سو ساٹھ بت رکھے ہیں اور باعتبارِ حسنات قمری روز ایک نئے بت کی پوجا ہوتی ہے۔ اہلِ مکّہ کی یہ حالت، اور اہلِ کتاب عُزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ کے خبط میں مبتلا۔ اُدھر ابرہہ کی کھوپری کھجاتی ہے اور نیا جنون پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک قابلِ ذکر واقعہ ہے، جس کو خود اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا ہے۔

قصّۂ اصحابِ فیل:

ابرہہ نام ایک حبشی نجاشی کی طرف، جو تمام حبش کے مُلک کا بادشاہ تھا، مُلکِ یمن کا صوبے دار ہو کر آیا اور یمن کے لوگوں کو دیکھا کہ حج کے موسم میں ہر طرف اور ہر جانب سے نذر و نیاز لے کر مکّۂ معظّمہ کو جاتے ہیں۔ پوچھا کہ یہ لوگ کیا ارادہ رکھتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔ لوگوں نے سب کیفیت بیان کی۔ کفر کی نخوت و سرکشی نے اس مردود کے دل میں جوش مارا؛ حکم دیا کہ اس گھر کے مقابلے میں ایک گھر اس شہر میں تیّار کرو۔ پھر صنعان میں، جو مُلکِ یمن پایۂ تخت ہے، اچھے اور خوش رنگ پتھروں کا ایک کلیسا بنا اور ''قلیس'' اس کا نام رکھا۔ اس کے درو دیوار کو زر و جواہر سے مرصّع و مزیّن کیا، بتوں کو لباسِ فاخرہ پہنا کر اور چاندی اور سونے کے زیور سے آراستہ کر کے اس گھر

میں بٹھایا؛ عطر و گلاب اس کے درو دیوار پر چھڑکا، عود و عنبر کی انگیٹھیاں روشن کرائیں؛ اس کے گرد عمدہ مکانات مسافروں کے واسطے بنوائے۔ اپنے تمام علاقے میں حکم صادر کیا کہ سب آدمی اس کے طواف کے واسطے حاضر ہوا کریں۔

ایک مرتبہ اہلِ حرم کا ایک قافلہ اس گھر کے متّصل رات کو آکر ٹھیرا؛ صبح کو چلتے وقت آگ روشن کی کہ کوئی گری پڑی چیز نظر آجائے؛ اتفاق سے ہوا تیز چلنی شروع ہوئی اور اس گھر میں آگ جا لگی اور فرش وغیرہ جو کچھ اس میں تھا سب جل گیا اور دھوئیں سے اس کے نقش و نگار سیاہ ہوگئے۔

ابرہہ کو جس وقت یہ علم ہوا کہ یہ کام مکّے والوں کا ہے، بہت برافروختہ ہوا اور جوش میں آکے خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے لشکر چڑھا لایا۔ اہلِ مکّہ اپنے اہل و عیال اور اسباب و مال لے کر پہاڑوں پر چڑھ گئے؛ مگر حضرت عبد المطلب، حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے دادا صاحب، تنہا مکّۂ معظّمہ میں اللہ کی مدد کے منتظر تھے کہ قدرتِ قاہرہ نے ''طَيْرًا اَبَابِيْلَ'' پرندے مسلّط کیے؛ یکایک چڑیاں جدّے کی طرف سے (جو دریائے شور کی بندر گاہ ہے اور مکّۂ معظّمہ سے مغرب کی طرف واقع ہے) غول کے غول ابرہہ کے لشکر کی طرف متوجّہ ہوئے۔ اُن چڑیوں کی چونچ اور پنجوں میں عذاب کی کنکریاں تھیں۔ جس پر ایک کنکری لگتی، وہ ہی رہ جاتا یہاں تک کہ وہ تمام لشکر تباہ ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو دشمن سے بچا لیا۔

یہ قصّہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی علامتوں ایک علامت ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی قہرِ الٰہی کا متحمّل نہیں ہو سکتا، اور اس پر بھی دلالت ہے کہ اس گھر کی بے حرمتی کرنا اس درجہ قہر کا سبب ہوا، تو اس کے دین اور اس کے پیغمبر ﷺ کی بے حرمتی کیا کچھ کرے گی۔

یہ حالت دیکھ کر رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور رحمۃ للعالمین کا ظہور ہوتا

ہے۔ اصحابِ فیل کے واقعے سے بے چین چند روز بعد[118] سرورِ عالم فخرِ بنی آدم ﷺ اپنے نورِ مبارک سے تمام عالم کو منوّر فرماتے ہیں۔ ماہِ ربیع الاوّل کی بارھویں شب ہے کہ دنیا خصوصاً تاریخی دنیا کے لیے عجیب و غریب یادگار اور حیرت انگیز سماں ہے۔

صاحبِ "تمدّنِ عرب" رقم طراز ہے:

مورّخینِ عرب نے حضرت کی پیدائش کے وقت مختلف عجائبات کا وقوع میں آنا بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ﷺ کی ولادت کے وقت دنیا متزلزل ہوگئی۔ مجوسیوں کے آتش کدے کی آگ بجھ گئی (جو انھوں نے مُلکِ فارس میں کئی ہزار سال سے روشن کر رکھی تھی۔ مدیر)؛ شیاطین آسمان سے گرا دیے گئے۔ شہنشاہ خسرو کے قصر کے چودہ کنگرے نہایت زور سے گر پڑے (اور صدر مقام کی دیوار شق ہوگئی۔ مدیر)۔ گویا یہ اس تباہی کا نمونہ ہے، جو کُل سلطنتِ ایران پر عن قریب آنے والی تھی۔

اس کے سوا خانۂ کعبہ سے تین شبانہ روز آواز آئی کہ اب میں بتوں کی نجاست سے پاک و صاف ہو جاؤں گا اور خدائے واحد کی پرستش کرنے والے میرے اندر آئیں گے؛ تین سبز عَلَم قدرتی طور پر ظاہر ہوئے: ایک خانۂ کعبہ کی چھت پر، اور دو شرق و غرب میں۔

ولادتِ باسعادت:

آخر، دوشنبہ کا روز ہے اور صبحِ صادق کا سہانا وقت کہ پیغمبرِ آخر الزّماں نے نہایت جاہ و جلال سے ظہور فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کا خلقت پر بہت بڑا احسان ہوا۔

بیہقی اور ابو نعیم نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی بغرضِ تجارت مکّۂ معظّمہ میں

---

118 اس مقام پر "بے چین چند روز بعد" ہی لکھا ہوا ہے؛ فقیر کے خیال میں یہاں کتابت کی غلطی ہے۔ درست عبارت غالباً کچھ اِس طرح ہوگی: "پچپن روز بعد"۔ (ندیم)

رہتا تھا؛ جب یہ باسعادت رات آئی تو یہودی نے کہا: اے جماعتِ یہود! احمد (ﷺ) کا ستارا چمک آیا، جو اس رات میں پیدا ہوگا۔

رضاعت:

حضرت محمد ﷺ نے سات دن اپنی مادرِ مشفقہ کا دودھ پیا؛ پھر چند روز ثُوَیبہ نے آپ کو دودھ پلایا؛ پھر حلیمہ سعدیہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔

قصّہ ثُوَیبہ:

ثویبہ ابو لہب کی لونڈی تھی آزاد کی ہوئی اور یہ آزادی حضرت ﷺ کی ولادت کی بدولت نصیب ہوئی تھی یعنی جب حضرت ﷺ پیدا ہوئے، تو ثویبہ نے ابو لہب کو یہ مژدہ سنایا کہ تمھارے بھائی عبد اللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ ابو لہب یہ سن کر بہت خوش ہوا، اور اس بشارت کے صلے میں ثویبہ کو آزاد کر دیا کہ تو اس مولود و مسعود کو دودھ پلا۔

یتیمی اور بچپن:

آمنہ خاتون کے حملِ مبارک پر ہنوز دو ماہ گزرنے نہ پائے تھے کہ حضرت عبد اللہ، رسولِ اکرم ﷺ کے والدِ ماجد، راہیِ مُلکِ عدم ہوئے؛ پانچ سال کی عمر تھی کہ مادرِ مشفقہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ دو سال بعد حضرت عبد المطلب، آپ ﷺ کے دادا، بھی انتقال فرما گئے۔ بظاہر اس دُرِّ یتیم کا بجز خداوند جَلَّ عَلَا شَانُهُ کے کوئی کفیل نہ تھا؛ آپ کے چچا ابو طالب کچھ عرصے آپ کے بزرگوں میں زندہ رہے، جو سفر تجارت میں بھی آپ کو ہم راہ رکھتے تھے۔ آپ کی نیک نامی عہدِ طفلی ہی سے شہرۂ آفاق تھی اور اہلِ عرب نے آپ کو بچپن ہی میں امین کا خطاب دے دیا تھا۔

عالمِ شباب:

اسی نیک نامی اور ذاتی خوبیوں کے سبب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو ناظم و مہتممِ تجارت تجویز کیا اور اپنا مال فروخت کے لیے دیا۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کی شادی ہوئی۔

بعثت:

چالیس سال کی عمر کے قریب آں حضرت ﷺ غارِ حرا میں خلوت گزیں رہنے لگے، حتّٰی کہ تاجِ نبوّت پہنایا گیا ؎

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لَوْلَاكَ لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گل زاروں میں یہ نور نہ ہو سیّاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سی پاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بو بکر و عمر، عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں[119]

چالیس سال کی عمر میں اشاعتِ اسلام کے لیے حسبِ فرمانِ باری تعالیٰ: قُمْ فَاَنْذِرْ

---

[119] "خمستانِ حجاز"، صفحہ 32۔

آپ نے ترقّیِ اسلام کے لیے بیڑا اُٹھایا۔ اس خدمت کی انجام دِہی میں آپ ﷺ نے تیرہ سال مکّۂ معظّمہ میں صرف کیے۔

ہجرت:

اگرچہ اس عرصے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر شجاع بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے؛ لیکن کفّار کی ایذا رسانی کو حد سے متجاوز دیکھ کر آپ نے مدینۂ منوّرہ کا عزم فرمایا اور آپ کے ساتھ اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہجرت کی۔ وہاں پہنچ کر آپ نے اخوّتِ اسلامی کا سلسلہ جوڑا؛ انصار و مہاجرین کو آپس میں بھائی بھائی بنایا۔ آخر وہاں اہلِ مکّہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر آپ نے تلوار اُٹھائی اور اکثر معرکوں میں کفّار کو ہزیمت نصیب ہوئی۔

وفات:

بارہ سال مدینۂ منوّرہ میں قیام فرما کر نورِ اسلام تمام عالم میں پھیلانے کی تدابیر کی جڑ پختہ ہونے پر حجابِ ظاہری فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن!

اہلِ تواریخ لکھتے ہیں ہیں کہ حضرت کی وفات کے وقت عربستان عمان تک اسلام قبول کر چکا تھا؛ مشرکینِ عرب، یہود و نصاریٰ سب مذہبِ اسلام پر ایمان لا چکے تھے؛ تمام باشندگانِ عرب ملّتِ واحدہ میں داخل ہو لیے تھے۔ وہ دن قریب آ گیا تھا کہ جوشِ ایمان میں سرشار عرب اپنے لائق اور بہادر سپہ سالاروں کے جھنڈوں کے نیچے تمام دنیا کو فتح کر لیں گے۔ یہ بات اسلام کو صرف اس کی پاکیزہ اور بہترین تعلیم کے باعث حاصل ہوئی؛ نیز محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عظیمہ اور کلام اللہ جیسی فصیح و بلیغ کتاب نے تمام عالم میں اپنی شہرت و حقّانیّت کا ڈنکا بجا دیا۔

ہمارے عظیم الشّان پیغمبر علیہ السلام نے اپنی تمام عمر ترقّیِ اسلام اور اصلاحِ قوم میں

صرف فرمائی۔ آپ نے مبارک جسم پر پتھر کھائے، زخم اُٹھائے، طرح طرح کی زحمتیں اور مصائب سہے؛ لیکن ہمیشہ وہ رحمۃ للعالمین اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کہہ کر خدائے قادر سے ان مدہوشوں کے لیے راہِ حق مرحمت ہونے کے طالب رہے اور کبھی بد دعا نہیں فرمائی۔ جماعتِ مسلمین کے سوا مشرکین و کفّار سے آپ کا سلوک و برتاؤ جس خلوص کے ساتھ تھا، اُس کا اثر یہ ہے کہ اسلام نے دن دونی رات چوگنی ترقّی حاصل کی۔ ایک وحشی قوم کو متمدّن، کامل اور مکمّل بنا دیا، جس نے خود صاحبِ تمدّن و تہذیب بن کر تمام عالم کو تہذیب کا سبق پڑھایا اور اسلام کی نسیمِ روح پرور نے اکنافِ عالم میں روحِ تازہ پھونکی، تو سب بے ساختہ بول اُٹھے۔

زِ نسیمِ جاں فزایت تنِ مردہ زندہ گردد
زِ کدام باغی اے گل کہ چنیں خوش ست بویت

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْہِ!"[120]

وَفَیات از مولانا خجندی:

ذیل میں ہم ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی سے دو حضرات کے انتقال کے موقع پر، حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ تعزیتی کلمات / تعزیت نامے نقل کر رہے ہیں:

"(۱) آہ! نواب عبد الوہاب خاں صاحب!
از حضرت مولانا خجندی صاحب

مُڈراک ضلع علی گڈھ کے رئیس، ریاست جے پور کے جاگیر دار، راج پوت

120 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۱۰ تا ۱۲۔

قوم کے چشم و چراغ، جب کنور عبد الوہاب کہلاتے تھے: ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے، آپ یہ خبر سن کر فکر میں پڑ گئے: شردھانند نے ممالکِ متّحدہ آگرہ کے اٹھارہ اَضلاع میں چھ لاکھ ملکانہ راج پوت مسلمانوں کو "شدھی" کے نام پر دائرۂ اسلام سے نکال کر ظلمتِ کفر و شرک میں دھکیلنے کا تہیّہ کر لیا، دردِ اسلام نے آپ کو بے تاب کیا، غیرتِ ایمان نے ریاست کے عشرت کدے سے نکال کر امتحان گاہِ تبلیغ کے میدان میں لا کھڑا کیا۔

یہ چشم دید حال ہے کہ یہ عیش و عشرت کا پلا ہوا کنور شدّت کی دھوپ اور لو کی مصیبتیں اُٹھاتا ہوا اپنے راج پوت بھائیوں کے لیے، ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا ہوا، اِس گاؤں سے اُس گاؤں میں کام کرتا پھرتا تھا: نہ دن دیکھتا تھا، نہ رات: نہ وقت سوجھتا تھا، نہ بے وقت: نہ آرام کا خیال تھا، نہ تکلیف کا۔ ایک حقیقی لگن تھی اور سچی دُھن تھی، جو مستِ عمل بنا کر لیے پھرتی تھی۔

کنور عبد الوہاب خاں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے، جب تک آپ کو یہ اطمینان حاصل نہ ہو گیا کہ ایک ایک ملکانہ راجپوت ہمارے زیرِ اثر آ گیا اور اب آریوں کے لالچ کا جال ان کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ کئی سال اس تگ و دو میں گزارنے کے بعد کام یابی حاصل کرتے ہوئے آپ نے تبلیغِ اسلام کو اپنی زندگی کا اصلِ اصول بنا لیا۔
اپنے والدِ مرحوم کے انتقال کے بعد نواب عبد الوہّاب خان بن کر بھی آپ سرگرمی سے اسلام کی تبلیغ اسلام کی خدمت میں حصّہ لیتے رہے۔ صوبہ متّحدہ آگرہ و اودھ کی انجمن تبلیغِ اسلام کے اگر آپ روحِ رواں تھے، تو مرکزی جمعیتِ تبلیغ الاسلام انبالہ کے بانی و موجد۔ 'آل انڈیا انجمن' کہو یا 'جمعیتِ مرکزیہ' سب سے اوّل جن دماغوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا، وہ صرف تین نُفوس تھے:

(۱) حضرت امام العلما مولانا شاہ عبد الماجد صاحب قادری بدایونی۔

(۲) کنور عبد الوہّاب خان صاحب

(۳) نذیر احمد خجندؔی۔

حضرت مولانا عبد الماجد صاحب کئی سال پہلے داغِ مفارقت دے چکے، اور تازہ صدمہ نواب عبد الوہّاب خان صاحب کی جدائی نے پہنچایا۔ میں بھی کسی دن ان دونوں رُفقاءِ کار کی طرح اس عالمِ ناپائیدار سے چل بسوں گا۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں اس دنیا کو چھوڑوں، میری تمنّا ہے کہ میں اور میرے رُفقاءِ کار ایک قیامت تک قائم رہنے والا نقشِ عمل دنیا کے سامنے رکھ جائیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے ”شاہ راہ“ ثابت ہو۔

تبلیغِ اسلام کے تین فداکار:

(۱) حضرت امام العلما مولانا شاہ عبد الماجد صاحب قادری بدایونی (بانی و موجد جمعیتِ مرکزیہّ)

(۲) عالی جاہ سر رحیم بخش صاحب (صدر جمعیتِ مرکزیہّ)

(۳) عالی جناب نواب عبد الوہّاب خان صاحب (جنرل سیکرٹری انجمن تبلیغ الاسلام، صوبۂ متّحدہ آگرہ واودھ)

یہ نمونہ ہمارے سامنے چھوڑ گئے کہ مرتے دم تک تبلیغ الاسلام کو اُصولِ زندگی سمجھا۔ ربّ الارباب ہمیں بھی اس کی توفیق دے اور جمعیتِ مرکزیہّ کے روحِ رواں عالی جناب مولانا سیّد غلام بھیک نیرنگ صاحب اور جمیع رفقاءِ کار کو اس خدمت کا شرف عطا فرمائے، جس سے اسلام کا عَلَم بردار اور۔۔۔[121]

[121] ”شاہ راہ“، بمبئی میں اِس جگہ دو، تین الفاظ اور لکھے تھے، جو غیر واضح ہونے کے سبب سمجھے نہیں جاسکے۔ (ندیم)

(۲) آہ! پیر موٹا میاں

از حضرت مولانا خجندؔی صاحب

ابھی نواب عبد الوہّاب خان صاحب کا غم بالکل تازہ ہی تھا کہ زخمِ جگر پر یک لخت نیا چرکا لگا۔ یکایک پیر موٹا میاں کے انتقالِ پُر ملال کی خبر نے حیرت زدہ کر دیا۔ چند روز ہوئے کہ وہ میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور دورانِ ملاقات میں فرمایا کہ میں ابھی دو تین دن ٹھہر کر چلا جاؤں گا۔ مئی کے پہلے ہفتے میں آ کر چار ماہ قیام کروں گا۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ کا قول ہے:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَآئِمِ

(ترجمہ: میں نے اپنے رب کو اپنے اِرادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔)

ابھی کچھ دن بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ ان کے انتقال کی خبرِ ناگہانی آ پہنچی۔

آپ ہماری انجمن تبلیغ الاسلام کی مجلسِ اِدارہ کے رکن تھے۔ تبلیغ کے شیدا تھے۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے عیدِ میلاد النبی ﷺ کے جلسے میں بمقام سر کاؤس جی جہاں گیر ہال صدارت فرماتے ہوئے بہترین تبلیغی خطبۂ صدارت پیش فرمایا اور پانچ ہزار جلدیں ہمیں تقسیم کے لیے مرحمت فرمائیں۔

مولا تعالیٰ مرحوم کے درجات میں ترقّی فرمائے اور پس ماندگاں کو صبر عطا فرمائے۔ میں اپنے ایک پُرانے مضمون[122] سے آپ کی خصوصیات کو روشن کرتا ہوں اور بس؛ آیندہ حسبِ موقعہ تفصیلاً کچھ کہوں گا۔“[123]

[122] یہ مضمون اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔ (ندیم)

[123] ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، صفر المظفّر ۱۳۵۶ھ، ص ۱ تا ۲۔

"حضرت پیر موٹا میاں صاحب فریدی چشتی[124]
از نذیر احمد خجندی مقیم بمبئی

تقدّس مآب خواجہ سیّد متاع الدین المعروف پیر موٹا میاں صاحب، زِیْدَ مَجْدُھُمُ الْعَالِیْ!

دودمانِ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے نورِ نظر، خاندانِ چشتیہ کے چشم و چراغ، چرخِ تصوّف کے ماہِ منوّر، اور آسمانِ شریعت و تبلیغ کے آفتابِ عالم تاب، خانقاہِ عالیہ مانگرول شریف، ضلع سورت، کے وہ نام وَر سجّادہ نشیں ہیں، جن کو صوبۂ بمبئی کے حق میں نعمتِ غیر مترقّبہ، ہندوؤں کے لیے اسلامی اوتار، پارسیوں کے واسطے دینی پیغام بَر اور مسلمانوں کی خاطر سچّا ہادی و پیشوا کہا جائے تو حق بہ جانب ہے۔ نیک، متّقی، شریعتِ مطہرہ کے علم بردار، منہیاتِ شرعیہ سے سخت بے زار، تصوّف کے دل دادہ، تبلیغ کے والہ و شیدا؛ وہ پیرِ روشن ضمیر جن کی اس نئی روشنی کے زمانے میں، زمانے کو سخت ضرورت، ذی علم، ذی فہم، خوش اخلاق، خوش کردار، خوش وضع، ملنسار، دوستوں کے دوست، دشمنوں کے بہی خواہ، شہرۂ آفاق ہر دل عزیز؛ مفصّل حالات معلوم کرنے کے لیے، یہ کتاب جس کا نام ہے: 'متاعِ عمل'۔ میں نے اس کتاب ہی کو حرفاً حرفاً نہیں پڑھا؛ 'چشتیہ شعاع' کو ہی لفظاً لفظاً نہیں دیکھا؛ اخبار 'خاتون' میں آپ کی سوانح پر ہی نظر نہیں ڈالی، بلکہ اس ذاتِ خاص، مجسّم درسِ عمل کا مطالعہ کرتے ہوئے دس برس کامل گزر چکے۔ اس لیے میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ ذاتی تجربے، ذاتی تحقیق اور ذاتی واقفیت کی بِنا پر۔ پیر صاحب اعلیٰ والیانِ ریاست، ہندو و مسلمان سے لے کر، عام مسلمان، ہندو، پارسی اور بھیل قوم تک کے پیر ہیں اور نفوس آپ کے حلقہ بہ گوش و عقیدت مند۔

---

124 وہ مضمون جس کا ذکر، گزشتہ اقتباس میں حضرتِ خجندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ (ندیم)

یوں تو متعدّد زبانوں پر آپ کو عبور ہے، بالخصوص گجراتی زبان کے آپ بادشاہ ہیں، اور اسی زبان میں آپ کی تصانیف راہ نمائے خواص و عوام۔ پیر صاحب کی خصوصیات کے لیے اس سے زاید کیا لکھوں کہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۲۲ر اگست ۱۹۳۴ء"[125]

ہفتہ وار اخبار "الفقیہ" امر تسر سے ماخوذ مولانا خجندی کی ایک تحریر:

"موجدِ شدھی کا قتل اور اس کی ذمّے داری
علّامہ مولانا نذیر احمد خجندی کیا لکھتے ہیں

'وہ کون سی قوّت ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ تحریکِ شدھی نے ملکانہ راجپوتوں ہی پر نہیں، بلکہ عام مسلمانوں پر مظالم و ستم ظریفی کا دروازہ نہیں کھولا۔ وہ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ دو سال کے لیے جیل میں جانے والے منشی رام عرف شردھانند سنیاسی محض 'شدھی پرچار' کے لیے دو ماہ کچھ دن میں باہر نہیں نکلے۔ کیا کوئی واقفِ حال اس کو جھٹلا سکتا ہے کہ سماجی متوالوں نے مسلمان مرد، عورت، بچے؛ اُن کی عزّت و آبرو کسی کو بھی گزشتہ چار سال میں محفوظ رہنے کا موقعہ نہ دیا۔

کیا سب کی ذمّے داری عقلاً اور اصولاً "شردھانند سنیاسی" پر عائد نہیں ہوتی تھی اور ایک دل جلا مسلمان، ایک غیرتِ اسلامی رکھنے والا مسلمان، ایک حمیتِ دینی کا شیدا مسلمان، ایک جذباتِ ایمانی کا فدائی مسلمان ان سفّاکانہ مظالم سے مشتعل ہو کر

---

125 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، صفر المظفّر ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۲۔

سب کچھ کر گزرنے، اپنی جان پر کھیلنے اور دوسرے کی جان لینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ یقیناً فطرتِ انسانی ایک وقت اس حرکت کے لیے 'تنگ آمد جنگ آمد' کی مثل کو پورا کرا سکتی ہے، اور جذبۂ انتقامی کے لیے وہ کسی نقطۂ نظر سے قابلِ ملامت نہیں ہو سکتا۔

آج ہندو شخصیتیں بہت ہوشیاری سے اظہارِ رائے میں مصروف ہیں، خواہ وہ مسٹر گاندھی ہوں یا لالہ جپت رائے ہوں یا مسٹر نائیڈو؛ لیکن غلط رو مسلمان، خوشامدی مسلمان، اپنے قتل سے ڈرنے والے مسلمان، ہنود کی خاطر اسلامی ناموس کو قربان کرنے والے مسلمان، وہ مسلمان جنھوں نے مسلمانانِ ہندوستان کا خون ہوتا دیکھا اور ہنود کے خلاف دَم نہ مارا؛ بلکہ اُلٹا مسلمانوں کو ملزم بتایا۔ مسلمان مرے، مسلمان جیلوں میں بھرے، مسلمانوں کے بچے یتیم ہوئے، مسلمانوں کی عورتیں بیوہ ہوئیں؛ لیکن، شوکت علی ہوں یا محمد علی، ابو الکلام ہوں یا ڈاکٹر انصاری، مولوی حسین احمد ہوں یا خواجہ حسن نظامی؛ کسی نے ان ملزموں کے لیے صدائے احتجاج نہ کی۔ شردھانند سنیاسی کے قتل پر پانچ مسلمان زخمی کیے جاتے ہیں، جن میں سے ایک بے گناہ رستہ چلتا مسلمان جاں بحق تسلیم کرتا ہے؛ لیکن، حیف نابردہ مسلمانوں پر، جو ہندو کے لیے روتے ہیں اور مسلمان کے قتل کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ ہم اس پالیسی کے بالکل خلاف ہیں اور ہم آزادی سے کہیں گے کہ ان نام نہاد مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ 'یہ فعل خلافِ اسلام ہوا، یہ فعل خلافِ انسانیت ہوا' غلط اور محض غلط ہے۔

یہ ہندو پرست نہ اسلام سے واقف، نہ انسانیت سے باخبر۔ انھوں نے ہندوستان میں ہنود کے ہاتھوں اور حجاز میں ابنِ سعود کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ ان کی ہم نوا انجمنیں ان کے ہم آواز اخبار سب اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

عبد الرشید کا بیان جس قدر میدان میں آچکا ہے وہ اس کا مدّعی ہے کہ:

'اسلامی جذبات کو سماجی مظالم نے مشتعل کر کے اِس کو اس بہانے جنّت کا متوالا بنا دیا۔'

اس صورت میں اس قتل کی پوری ذمّے دار آریہ سماج کی وہ جماعت ہے جس نے اپنی گوں ناگوں ستم شعاریوں سے ایک مسلمان، سادہ لوح مسلمان، سچے مسلمان کے جذبات کو بھڑکایا اور اس کو اس زبردست کام پر آمادہ و مجبور کیا۔

ابھی مقدمہ زیرِ سماعت کچہری میں نہیں آیا، اس لیے ہم اس رائے کے اظہار میں آزاد ہیں کہ سماجیوں کا ایک فتنہ پرداز طبقہ اس واقعے کو جماعتی و سازشی بنوانے پر زور دے رہا ہے۔ اس موقع پر پولیس کو اپنی پوری ذمّے داری سے تحقیقات کرنی چاہیے، خواہ مخواہ بے گناہوں کو ملوّث کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقدمہ عدالت میں پہنچ کر عبد الرشید پر فردِ جرم عائد کر دی گئی اور عبد الرشید سیشن سپرد کر دیا گیا۔ (ایڈیٹر)[126]

دس ہزار روپے کا انعام یقیناً فطرتاً انسان کی لالچی طبیعت کو غلط بیانیوں پر مائل کر سکتا ہے۔ مرد وہ ہے جو دیانت و امانت کو ہاتھ سے (جانے) نہ دے۔

اتنا کہہ کر ہم ہندوستان کی ان اسلامی انجمنوں کو توجّہ دلاتے ہیں جو ایمانی جذبات کی شناسا ہیں کہ وہ اپنی آزاد رائے سے اس واقعے پر اظہارِ خیال کریں اور دنیا کو یہ بتا دیں کہ:

اس حادثے کی ذمّے داری صرف آریہ سماجی مظالم، جبر و تشدّد اور سفّاکیوں پر عائد ہوتی ہے۔

(خجندی، مدیرِ غالب بمبئی)"'[127]

---

126 سیاق و سباق اور اس جگہ قوسین میں لفظِ 'ایڈیٹر' کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ عدالت والا جملہ ایڈیٹر اخبار "الفقیہ" امرتسر کا اضافہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ندیم)

127 ہفتہ وار اخبار "الفقیہ" امرتسر، جمعۃ المبارک، ۲۸؍ جنوری ۱۹۲۷ء / ۲۳؍ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، صفحہ ۹۔

مولانا خجندؔی کے دو (۲) خطوط، علمائے دیوبند کے نام:

حسبِ ذیل سطور میں ہم خطیب العلما حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خجندؔی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے دو مکتوبِ گرامی (خطوط) نذرِ قارئین کر رہے ہیں، جو مولانا خجندؔی نے تین علمائے دیوبند کے نام لکھ کر مدرسۂ عین العلم، شاہ جہاں پور ارسال کیے تھے، اور پندرہ روز ''الفقیہ'' امر تسر میں بھی شایع ہوئے تھے۔ دوسرے مکتوبِ گرامی میں، آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مبلّغِ اعظم حضرت علّامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی میرٹھی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۱:

''اظہار واجب الاشتہار

منجانب فقیر نذیر احمد خجندؔی،
نائب ناظمِ جلسہ عیدِ میلادِ مبارک، خیر نگر، میرٹھ شہر
بجانب مولوی عبد القادر، مولوی عبد الغنی، مولوی اشرف علی صاحبان
مدرسۂ عین العلم، شاہ جہاں پور

آپ کا اشتہار واجب الاظہار میری نظر سے گزرا۔ عجب عجب، ہزار عجب! آپ نے انکارِ محسوسات کے پردے میں اپنے اکابر کا کافر مطعون ہونا صاف صاف لفظوں میں مان لیا، پھر مُناظرہ کس بات پر؟

صاحبو! انصاف اور شئے ہے اور دھوکا یا ہٹ دھرمی چیزے دیگر۔ عقائدِ وہابیہ دیوبندیہ کی تشہیر جن الفاظ میں آپ نے یا آپ کے اساتذہ نے کی ہے کو کس طرح صحیح مانا جاسکتا ہے؟ جب کہ اُن کے کفر سے لب ریز عبارتیں اہلِ حق کے سامنے موجود ہیں۔ عجب کہ آپ دن دہاڑے عوام پر اندھیری ڈالنی چاہتے ہیں اور چھپی ہوئی عبارتیں کفر کا پاس پائی ہوئی شرارتیں چھپائیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مکرائیں۔ بہت اچھا اسی پر بحث ہے کہ یہ عبارتیں اُن کی کتابوں میں ہیں یا نہیں۔ آپ اگر آمادہ ہوں تو یہ فقیر مُناظرہ و مُباحثہ کو تیار ہے؛ خواہ آپ شاہ جہاں پور میں طلب فرمائیں یا میرٹھ میں تشریف لائیں۔ میرٹھ تشریف لانے پر امن واماں اور اجازتِ حکّام کا ذمّہ میں خود ہوں اور شاہ جہاں پور آنے کی صورت میں انتظام آپ کے ذمّے۔ انصاف یہ ہے کہ جمعیتِ اہلِ سنّت و جماعت کو وہابیہ دیوبندیہ صاحبان کے ساتھ کوئی ذاتی رنجش یا دنیوی مخالفت نہیں، جس کا دار و مدار نفسانیت پر ہو۔ یہ اہلِ محبّت اُن الفاظ کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کفر سمجھتے ہیں، جن پر ربّ العزّت جَلَّ جَلَالُہٗ اور نبیِّ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں صریح گستاخی و توہین ہے۔ فی الحقیقت اگر یہ الفاظ خصوصاً اُردو زبان کی وہ صاف و صریح عبارتیں، جن پر علمائے حرمین شریفین نیز معتبر علمائے ہند نے کفر کا فتویٰ دیا، وہابیہ دیوبندیہ کی کتابوں میں نہ ہوں تو آپ کی توبہ بجا ہے۔ اُمّید کہ آپ تاریخ و مقامِ مناظرہ سے فیصلہ فرما کر اپنی سب سے پہلی فرصت میں اطلاع دیں گے۔

فقیر نذیر احمد خجندؔی

۲۳۶، محلّہ مشائخاں، میرٹھ شہر۔''[128]

---

[128] پندرہ روزہ اخبار ''الفقیہ''، امر تسر، پنجاب، انڈیا، ہفتہ، ۵/ اپریل ۱۹۱۹ء/ ۳/ رجب المرجّب ۱۳۳۷ھ، ص۶۔

مکتوب نمبر ۲:

”عین العلم والوں کا جواب

منجانب فقیر نذیر احمد خجندؔی،
نائب ناظم جلسہ عیدِ میلادِ مبارک، خیر نگر، میرٹھ شہر

تہذیب اور متانت وہ جوہر ہے جس کا اختیار کرنے والا کبھی شرمندہ نہیں ہو سکتا، اور ذی فہم اس کو ملامت نہیں کر سکتا۔ وہابیہ، دیوبندیہ، اسماعیلیہ نے جب سے اِس اُصول کو چھوڑا ہے، حق گوئی سے منہ موڑا، خلافِ تہذیب الفاظ علمائے کرام، اولیائے عظام، انبیا و رُسُل علیھم الصلاۃ والسلام اور خود پروردگار ذو الجلال والاکرام کی شان میں لکھنے شروع کیے، اہلِ حق کو ناراضگی پیدا ہوئی اور اُنھوں نے اظہارِ حق کے واسطے اِن تحریروں کی تردید پر کمر باندھی۔ بعنوان اشتہار واجب الاظہار شاہ جہاں پور میں عین العلم والوں کے جواب میں اِس فقیر نے ایک عریضہ مولوی عبد القادر، مولوی عبد الغنی و مولوی اشرف علی صاحبان مدرسۂ عین العلم شاہ جہاں پور کے نام بھیجا (۲) اخبار الفقیہ امرت سر نے ۱۵؍ رجب[129] ۱۳۳۷ھ کے پرچے میں اُس کو شایع کیا؛ حکیم سلامت اللہ

---

[129] پندرہ روزہ اخبار ”الفقیہ“، امرِتسر میں اس مقام پر ”۱۵ رجب“ ہی مرقوم ہے؛ لیکن یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ نے جس عریضہ (خط) کا ذکر فرمایا ہے وہ ”۱۵؍ رجب“ ۱۳۳۷ھ کو نہیں؛ بلکہ ۳؍ رجب ۱۳۳۷ھ کے پرچے میں شایع ہوا تھا۔ (ندیم)

صاحب نے بطورِ اشتہارِ عام معہ حاشیہ مزید چھپوا کر شائع فرمایا اور مطالبہ کیا کہ اگر آپ کا دعویٰ حق ہے تو خجندؔی کا جواب دیجیے۔ دیوبندیہ وہابیہ کا دستور ہے کہ جب کسی جواب سے مجبور ہو جاتے ہیں تو اپنے کسی طالبِ علم کے نام سے مباحثہ و مناظرہ طلب کرنے والے کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔

مولوی عبد العلیم صدّیقی سَلَّمَہٗ رَبُّہٗ کے جواب میں مولوی اشرف علی تھانوی نے یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ اوّل ایک مغل بچے کو صدّیقی بنا کر اُس کے نام سے دھمکیاں دیں، پھر یونس بریلوی کے نام سے گالیاں سنائیں؛ لیکن عاشقِ نبیِّ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کا خلف الصدق اس سے ڈرنے والا نہ تھا، بلکہ اُس نے اس کو بھی اپنے لیے اِتّباعِ سنّت تصوّر کیا۔

فقیر خجندؔی نے اپنے خط میں یہ فقرہ لکھا:
’بہت اچھا اسی پر بحث ہے کہ یہ عبارتیں اُن کی کتابوں میں ہیں یا نہیں۔ اگر آپ آمادہ ہوں تو یہ فقیر مُناظرہ و مُباحثہ کے لیے تیار ہے؛ خواہ آپ شاہ جہاں پور طلب فرمائیں یا میرٹھ تشریف لائیں۔‘

اُس مضمون کی سنجیدگی، تہذیب اور طرزِ بیان ایک انتہا سے زیادہ بے ادب کے لیے بھی ادب آموز ہو سکتا تھا، اگر وہ چاہتا۔
لیکن جن لوگوں نے مشرکینِ عرب کی تقلید میں گالیاں دینا ہی اپنا مسلک ٹھہرالیا ہو، اُن کی رہبری آسانی سے ناممکن ہے۔
نتیجہ وہی ہوا کہ عبد الباری طالبِ علم کے نام سے ہم کو کم علم اور نا قابلِ مباحثہ کہہ کر اپنی شانِ فراز اور زیادتیِ علم کا اظہار فرمایا۔

جن اصحاب کا یہ عقیدہ ہو کہ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابل شیطان کا علم زیادہ ہے، وہ اگر ہمارے علم کو اپنے مقابل کم بتائیں تو حاشا وکلا ہمیں کوئی شکایت کا موقع نہیں۔ کیوں کہ ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین است　　　مقتضائے طبیعتش این است

غور طلب صرف یہ امر ہے کہ ایسا مناظرہ و مباحثہ، جس میں فقط یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ آیا زبانِ اُردو کی صاف و صریح عبارتیں آپ کی کتابوں میں موجود ہیں یا نہیں، ایک اُردو دان طالبِ علم بھی کر سکتا ہے چہ جائیکہ وہ شخص جس کی علمیت و واقفیتِ مذہبی اُن گستاخانہ و کَرِیہ الفاظ سے متنفر ہو کر (جو آپ بزرگوں نے ربّ العزّت جَلَّ جَلَالُہٗ اور نبیِّ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں لکھے ہیں) مباحثہ طلب کر رہا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ یہ آپ کا معلّم الملکوت کے درجے پر پہنچنا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کی آواز دے کر دوسرے کو کم علم بتاتا ہے اس کی صاف و صریح دلیل ہے کہ آپ کی ہٹ دھرمی اور دھوکا دینا آپ کو انصاف کے راستے پر آنے نہیں دیتا؛ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ آپ امرِ حق کے اظہار میں اس قدر گریز کریں۔ اس سے آپ کے لاجواب ہونے کا پتا چلتا ہے۔ بہر حال میں مجبور ہوں اس وقت جلد کوئی تاریخ معیّن نہیں کر سکتا، کیوں کہ بفضلِ رب باری جَلَّ جَلَالُہٗ میرے لیے حرمین شریفین کی حاضری مقدّم ہے۔ ہاں، بعدِ سفر حجاز بشرطِ حیات آپ آمادہ رہیں اور ۱۳؍ربیع الاوّل ۱۳۳۸ھ / ۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء روزِ یک شنبہ میرٹھ تشریف لے آئیں اور مباحثہ و مناظرہ فرمالیں، یا جو تاریخ اس کے متّصل جناب مقرّر فرمادیں؛ بندہ شاہ جہاں پور حاضر ہو سکتا ہے۔ مجھے نہ گالیاں دینی آتی ہیں، نہ مصنوعی ناموں سے جواب دینا پسند کرتا ہوں۔ میرے مخاطب آپ علماءِ مدرسۂ

عین العلم ہیں۔ اگر آپ کو اپنی زیادتیِ علم پر ناز ہے اور آپ کا غرور میرے ساتھ مباحثے کو مانع، تو میں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ہرگز اس میں عار نہیں، طلبِ حق کے لیے طالبِ علمانہ حیثیت سے مؤدّبانہ سوالات کرنے پر آمادہ ہوں؛ آپ جس طرح چاہیں، جواب دیں؛ مگر خدا کے لیے اس کا فیصلہ کر دیں کہ ان کتابوں میں یہ عبارتیں ہیں یا نہیں تاکہ آئے دن جو دھوکہ مخلوق کو دیا جارہا ہے، وہ اُٹھ جائے۔

فقیر نذیر احمد خجندؔی

ازعدن اکبر جہاز"[130]

◈◈◈◈◈◈◈

---

[130] پندرہ روزہ اخبار "الفقیہ"، امرتسر، پنجاب، انڈیا، جمعۃ المبارک، ۵؍ستمبر ۱۹۱۹ء / ۹؍ذی الحجّہ ۱۳۳۷ھ، ص۶ تا ۷۔

تیرھواں باب:

مولانا نذیر احمد خجندؔی ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر

جس طرح اور علم و فضل مولانا نذیر احمد خجندؔی کا خاندانی ورثہ تھا، اسی طرح شاعری بھی آپ کو وراثتاً حصّے میں ملی تھی، آپ کے والدِ ماجد حضرت شاہ عبد الحکیم جوؔش و حکیمؔ صدّیقی ایک زبردست شاعر تھے، اور آپ کے چچا مولانا محمد اسماعیل میر ٹھی کو کون نہیں جانتا، جن کی نظمیں درسی کتب میں شامل ہیں۔ مولانا خجندؔی کے سارے ہی بھائی شاعر تھے اور بڑے عمدہ شعر کہتے تھے (رضی اللہ عنہم)۔ مولانا نذیر احمد خجندؔی کی طبیعت میں اس قدر زود گوئی تھی کہ مقرر کی تقریر کے ساتھ ساتھ ہی اُس کی تقریر کو نظم میں منتقل کرتے جاتے تھے۔ کچھ اس سے ملتی جلتی کیفیت راقم الحروف (ندیم احمد ندؔیم نورانی) نے اپنے استادِ محترم جناب سیّد اصغر حسین المعروف بہ راؔغب مراد آبادی مرحوم کی طبیعت میں بھی ملاحظہ و مشاہدہ کی۔ آپ بھی اس قدر زود گو شاعر تھے کہ محفل کے اختتام پر اپنے فی البدیہہ منظوم خطبۂ صدارت میں مقرّرین کی تقاریر کا خلاصہ فرمادیتے تھے۔

ادیبِ شہیر جناب مولانا اِمداد صابری صاحب حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کے حوالے سے خامہ فرسائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مولانا خجندؔی کو شعر و شاعری کا شوق تھا، قادر الکلام شاعر تھے، پہلے نذؔیر بعد میں خجندؔی تخلّص کیا، لیکن آخر میں نذؔیر ہی استعمال کرنے لگے تھے۔"[131]

131 "تذکرۂ شعراءِ حجاز"، ص ۳۹۰۔

ضیاء الدین احمد برنی رقم طراز ہیں:

"خجندؔی رشتے میں مولانا محمد اسماعیل میر ٹھی کے بھتیجے تھے اور اس اعتبار سے شاعری اُن کی خاندانی چیز تھی۔"[132]

مولانا نذیر احمد خجندؔی کے برادر زادے (بھتیجے) مولانا محمد زکریا صفؔی کا شمار جنوبی افریقہ کے اردو شعرا میں ہوتا ہے۔ اپنے والدِ ماجد مولانا محمد بشیر صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے کلام کی اصلاح لیتے تھے اور "صفی" تخلّص کرتے تھے۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب امداد صابری صاحب لکھتے ہیں:

"(مولانا زکریا صفؔی) اپنی شاعری کے بارے میں اور ڈربن کے شاعرانہ ماحول کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: '۔۔۔ہمارے چچاؤں میں خصوصاً مولانا خجندؔی مرحوم کا شاعروں میں نام تھا۔ نیز حاجی دادا مولانا اسماعیل میر ٹھی مرحوم، روش صدّیقی ہمارے بہنوئی تھے۔ شوق مراد آبادی، مگر افسوس مجھے کسی کی صحبت نہ حاصل ہوئی۔۔۔۔'"[133]

نوٹ: "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر" میں روش صدّیقی صاحب کو مولانا محمد زکریا صفؔی صاحب کا چچیرا بھائی لکھا ہے۔[134]

مولانا خجندؔی کی شاعری کا آغاز:

مولانا نذیر احمد خجندؔی علیہ الرحمہ نے اپنی عمر کے گیارھویں سال، مدرسۂ اسلامیہ میر ٹھ میں عربی کی تعلیم (درسِ نظامی) کا آغاز کی، اور اِسی سال آپ نے فنِّ شعر کی

132 "عظمتِ رفتہ"، ص ۳۱۶۔

133 "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر"، صفحہ ۲۴۴۔

134 "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر"، صفحہ ۲۶۔

ابتدا بھی کی۔ عربی اور فنِّ شعر میں آپ کے سب سے پہلے ہم سبق ہندوستان کے مشہور شاعر، عالم وفاضل مولانا شعیب احمد صاحب ندرتؔ ہیں۔[135]

بزموں / انجمنوں کا قیام:

جناب امداد صابری صاحب رقم طراز ہیں:

”آپ (مولانا خجندیؔ) کا علمی و ادبی حلقہ بڑا وسیع تھا؛ بمبئی میں انھوں نے کافی بزمیں بنائیں۔“[136]

بزمِ خیال کی تشکیل اور مولانا خجندیؔ اُس کے نائب صدر:

ضیاء الدین احمد برنی لکھتے ہیں:

”پچیس تیس سال پہلے بمبئی کے چند دوستوں نے ’بزمِ خیال‘ کی تشکیل کی تھی۔ راقم الحروف اس بزم کا صدر تھا اور خجندیؔ نائب صدر۔ سوائے میرے، باقی سب عہدے دار شاعر تھے۔ اس کی زیرِ سرپرستی ہم نے دو تین دفعہ آل انڈیا مشاعرے منعقد کیے، جو بے حد مقبول ہوئے۔ اسی بزم کی بہ دولت اہلِ بمبئی جوش ملیح آبادی، آزاد انصاری، سیماب اکبر آبادی، بسمل الٰہ آبادی، ساغر میرٹھی، احسن مارہروی جیسے شعرا سے متعارف ہوئے۔ مولوی خجندیؔ ان مشاعروں کے انعقاد میں تن، من، دھن ایک کردیتے تھے۔[137]

---

135 اداریہ، ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۲۔

136 ”تذکرہ شعراءِ حجاز“، صفحہ ۳۸۹۔

137 ”عظمتِ رفتہ“، ص ۳۱۶۔

مولانا خجندیؔ مشاعروں کا انعقاد کراتے۔۔ اور ہر اچھے شعر پر داد دیتے:

ضیاء الدین احمد برنی تحریر فرماتے ہیں:

” (مولانا نذیر احمد خجندیؔ) مشاعروں کے انعقاد میں تن، من، دھن ایک کر دیتے تھے۔۔۔ اُنھیں مشاعرے منعقد کرانے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ وہ عرسوں کے موقعوں پر بھی مشاعرے منعقد کراتے تھے۔ شیخ مصری کی درگاہ (بمبئی) میں اُنھوں نے متعدّد مشاعرے منعقد کیے۔ ایک موقع پر طرح تھی: ؏

باتیں کرے گی آج اَجل مجھ سے پیار کی

کئی ایک شعرا نے اس پر گرہیں لگائیں، لیکن مولوی صاحب (مولانا خجندیؔ) کو منشی اختر وارثی کی گرہ سب سے زیادہ پسند آئی اور دیر تک داد دیتے رہے۔ وہ گرہ یہ ہے:

بالیں سے ہٹیے آپ سے دیکھا نہ جائے گا
’باتیں کرے گی آج اَجل مجھ سے پیار کی‘

اُن کا داد دینے کا انداز بھی مخصوص تھا۔ کبھی کہتے ’واہ، کیا شعر کہا ہے!‘ کبھی فرماتے، ’دونوں مصرعے برابر کے ہیں‘ کبھی فرماتے، ’خوب سوچ کے کہا ہے‘ وغیرہ وغیرہ۔ ناممکن تھا کہ اچھا شعر پڑھا جائے اور وہ چپ رہیں۔“[138]

مولانا خجندیؔ کا خلافِ شرع اشعار پر تنبیہ کرنا:

برنی صاحب فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ باندرہ میں ’مولانا (خجندیؔ) کی مسجد‘ کی ملحقہ درگاہ میں مشاعرہ ہوا۔

---

138 ”عظمتِ رفتہ“، ص ۳۱۶ تا ۳۱۷۔

خجندؔی صدر تھے۔ اختر وارثی نے ذیل کا شعر پڑھا، جس پر حاضرین نے اُنھیں خوب داد دی:

زاہد کو بڑا ناز ہے مسجد پہ الٰہی
رِندوں کی دعا ہے اسے مَے خانہ بنا دے

مولوی صاحب نے داد میں مطلق حصّہ نہیں لیا، مگر اتنا فرمایا: ’اختر صاحب، وارثی ہو کر ایسی باتیں‘!“[139]

مولانا خجندؔی کی زود گوئی (فی البدیہہ شعر کہنا):

ماہ نامہ ”شاہ راہ“ کے اِداریے میں مولانا نذیر احمد خجندؔی علیہ الرحمۃ کی زود گوئی کے حوالے سے مندرجۂ ذیل کلمات تحریر ہیں:

”بِلا شبہ شاعری بھی آپ کا فطرتی جوہر ہے۔ اگرچہ اِس سلسلے میں آپ نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی، پھر بھی اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے فی البدیہہ اور برجستہ کہنے والوں میں جملہ چند اور ہستیوں کے آپ بھی درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔“[140]

ضیاء الدین احمد برنی صاحب مولانا خجندؔی کی زود گوئی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”اُن میں غضب کی آمد تھی۔ وہ ہر وقت شعر کہہ سکتے تھے۔“[141]

برنی صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”خجندؔی نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اُن میں ایک وصف یہ تھا

139 ”عظمتِ رفتہ“، ص ۳۱۷۔

140 ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۲۔

141 ”عظمتِ رفتہ“، ص ۳۱۶۔

کہ وہ مقرّر کی تقریر کو ساتھ کے ساتھ نظم کا جامہ پہناتے جاتے تھے۔“[142]

مولانا خجندؔی کے چند فی البدیہہ کلام:

اب ہم بہ طورِ نمونہ حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے چند فی البدیہہ کلام ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے، جن سے آپ کی زود گوئی اور برجستگی کا واضح اظہار ہوتا ہے۔

رسالہ ”کنول“، آگرہ، ملاحظہ کرنے پر فی البدیہہ شعر:

منظر صدّیقی اکبر آبادی (مدیرِ رسالہ ”کنول“ آگرہ) نے سال نامہ ”کنول“ کا پارسل بہ غرضِ تبصرہ (Review)، ماہ نامہ ”شاہ راہ“ کے دفتر بھیجا، جس کے متعلّق مدیرِ ”شاہ راہ“ لکھتے ہیں کہ:

”دفترِ شاہ راہ میں آگرہ سے کنول کا پارسل آیا؛ سب سے پہلے حضرت مولانا خجندؔی صاحب نے ملاحظہ فرمایا۔ سرورق پر انگریزی کی ایک چِٹ (Chit) لفظِ کنول کو اس طرح ڈھانپ رہی تھی، جیسے دوشیزۂ مغرب کے جسم کو فراک، جس پر یہ الفاظ منقوش تھے:

For Favour of Review

مولانا نے دیکھتے ہی فرمایا

آگرہ کے کنول پہ دیکھو تو
فیشنیبل یہ مغربی پردہ

مجھے اِس موقع پر مولانا (خجندؔی) کا ایک پرانا شعر یاد آگیا؛ جو ہنگینگ گارڈن کے دروازے پر بموجودگیِ بدر جلال، محمود اسرائیلی، مصوّر وغیرہ، ایک منظر دیکھ کر؛ فی

142 ”عظمتِ رفتہ“، ص ۳۱۵۔

البدیہہ موزوں کیا گیا تھا ـ

فیشن میں انحطاط ہے کپڑے کا عن قریب
اِک چیتھڑا لگا نہ رہے گا بدن کے ساتھ"[143]

سلام بہ حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سلام اُس پہ جو سنتا ہے مضطرب کی صدا — سلام اُس پہ کہ روشن ہے جس پہ حالِ مِرا
سلام اُس پہ کہ جس پر ہے یہ بھی آئینہ — کہ سینہ کس لیے چھلنی ہے کیوں جگر ہے چھدا
سلام اُس پہ جو اُمّت کو دیکھ کر پامال — ہے بے نیاز ابھی اور محوِ شانِ جلال
سلام اُس پہ جو بے کس کی بھی سُنے فریاد — سلام اُس پہ جو مظلوم کی ہے دیتا داد
سلام اُس پہ ہے دور اُفتادہ جس کو یاد — سلام اُس پہ کہ جس سے ملے گی دل کی مراد
سلام اُس پہ جو خلوت گزیں ہے طیبہ میں — غلام اُس کے ہیں زار و نزار دنیا میں
سلام اُس پہ جو عاشق بنانے والا ہے — سلام اُس پہ جو رب سے مِلانے والا ہے
سلام اُس پہ جو مژدہ سنانے والا ہے — سلام اُس پہ جو دل کو لبھانے والا ہے
سلام اُس پہ مصائب اُٹھا کے شام و پگاہ — سکھائی عشق و محبّت کی جس نے ہم کو راہ
سلام اُس پہ جو پیغامِ کبریا لایا — سلام اُس پہ کہ جس کا بلند ہے پایا
سلام اُس پہ کہ جس نے خدا کو منوایا — سلام اُس پہ پلٹ دی ہے جس نے سب کایا
سلام اُس پہ جو توحید کا فدائی ہے — یگانگت کی روش جس نے خود سکھائی ہے
سلام اُس پہ جو مومن پہ ہے رؤف و رحیم — سلام اُس پہ کہ جس کو مِلا ہے خُلقِ عظیم

143 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۱۵۔

سلام اُس پہ جو ہے مظہر خدائے کریم — سلام اُس پہ ہے معروف جس کا لطفِ عمیم
سلام اُس پہ خجندؔی غلام ہے جس کا
محمدِ عربی پاک نام ہے جس کا

مولانا نذیر احمد خجندؔی، مقطع کے بعد، اِس سلام کی تاریخ یوں رقم فرماتے ہیں:

"برادرِ عزیز مولوی عبد العلیم صدّیقی کو ایک خط لکھتے ہوئے ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء کو مدینۂ طیّبہ میں پیش کرنے کے لیے فی البدیہہ لکھا گیا۔"[144]

علاوہ ازیں، کچھ ایسی رُباعیاں بھی ہیں، جن کے لیے فی البدیہہ کہے جانے کی صراحت موجود ہے۔ ہم اُن رباعیوں کو "رُباعیّات" کے عنوان کے تحت ہدیۂ قارئین کریں گے۔ فی الحال، ذیل میں مولانا نذیر احمد خجندؔی کا فی البدیہہ کلام ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے، جو قائدِ اعظم کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

قائدِ اعظم کو مولانا خجندؔی کا فی البدیہہ منظوم خراجِ تحسین:

جناب خواجہ رضی حیدر صاحب رقم طراز ہیں:

"(مولانا نذیر احمد خجندؔی) قائدِ اعظم سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۲۵/ دسمبر ۱۹۴۶ء کو قائدِ اعظم کی سترویں سالگرہ کے موقع پر ایک تہنیتی نظم فی البدیہہ کہہ کر بمبئی کے ایک جلسے میں، جو قائدِ اعظم کی سالگرہ کی خوشی میں منعقد کیا گیا تھا، پڑھی۔ نظم کے چند اشعار درجِ ذیل ہیں۔۔۔"[145]

اِس مقام پر رضی حیدر صاحب نے بہ طورِ نمونہ تین اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ ہم

144 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۴۔

145 "رتّی جناح"، ص ۵۰۔

نے ۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۵؍ مارچ ۲۰۱۴ء بہ روز منگل، سر سیّد یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی میں جناب رضی حیدر صاحب سے دورانِ ملاقات، پوری نظم کے لیے رہ نمائی چاہی، تو آپ نے مورّخِ اسلام جناب محمد عبد الرحمٰن ناطق صاحب کی تصنیف: ''قائدِ اعظم کا سفر لندن'' کی طرف رجوع کرنے کے لیے رہبری فرمائی۔

چنانچہ ''قائدِ اعظم کا سفر لندن'' کے ابتدائی صفحات سے ہم پوری نظم ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں:

''دکھا کر روشنیٔ بدرِ وحدت قائدِ اعظم
چھپا دیں کفر کے تاروں کی کثرت قائدِ اعظم
اُٹھاتے ہیں جب آوازِ صداقت قائدِ اعظم
دِکھاتے ہیں عجب اندازِ جرأت قائدِ اعظم
نمایاں کر کے آزادی کی رفعت قائدِ اعظم
مِٹا دیں گے غلامی کی یہ ذلّت قائدِ اعظم
بہ فضلِ کبریا پچیسویں ماہِ دسمبر کو
ہوئے پیدا مسیحِ مُلک و ملّت قائدِ اعظم
یہ وہ خادم ہیں جو مخدوم کہلانے کے قابل ہیں
ہمیشہ قوم کی کرتے ہیں خدمت قائدِ اعظم
فدا کاری یہ ہے بیرسٹری کو چھوڑ کر اپنی
مسلمانوں کی کرتے ہیں وکالت قائدِ اعظم
ہر اک مخلص کے دل سے یہ صدا اُٹھتی ہے ہر لحظہ

سراپا ہیں محبّت ہی محبّت قائدِ اعظم
جتا کر آئے کابینہ مشن کی ساری کم زوری
مٹا کر آئے برٹش کی رعونت قائدِ اعظم
دکھائی گونج لندن کے محل میں صورتِ ضیغم
ہِلا کر آئے ایوانِ حکومت قائدِ اعظم
زہے ہمّت مسلمانوں کی ایک کرسی عطا کر کے
اَچھوتوں کی بڑھا دیتے ہیں عزّت قائدِ اعظم
خجندؔی! دیکھ سکھ ہو، پارسی ہو یا کہ عیسائی
ہر اک ملّت پہ فرماتے ہیں شفقت قائدِ اعظم''[146]

[نوٹ: اِس نظم کے اوپر، یہ توضیحی عبارت (Caption) درج ہے:

''وہ نظم جو مسیحِ ملک و ملّت قائدِاعظم محمد علی جناح کی اکہتّرویں سالگرہ پر خطیب العلما حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خجندؔی صاحب نے فی البدیہہ تحریر فرمائی''[147]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم قائدِاعظم کی ''اکہتّرویں سالگرہ'' کے موقع پر کہی گئی تھی، جب کہ خواجہ رضی حیدر صاحب نے ''ستّرویں سالگرہ'' رقم فرمایا ہے، جس کا حوالہ اوپر گزر چکا۔ ہم نے غور وخوض کیا تو ہمیں جناب رضی حیدر صاحب ہی کی بات درست معلوم ہوئی؛ اس لیے کہ ''قائدِاعظم کا سفر لندن'' کا پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۴۶ء میں بمبئی سے شائع ہوا، جس میں یہ نظم اور مذکورۂ بالا توضیحی عبارت درج ہے اور رضی حیدر صاحب کی تحریر کے

146 ''قائدِاعظم کا سفر لندن''، صفحہ ن۔

147 ''قائدِاعظم کا سفر لندن''، صفحہ ن۔

مطابق اسی سال اور اسی ماہ کی پچیس تاریخ کو، یہ نظم بھی کہی گئی۔ قائدِ اعظم کی ولادت ۲۵/ دسمبر ۱۸۷۶ء مطابق ۸/ ذوالحجہّ ۱۲۹۳ھ پیر کے دن ہوئی۔ اور یہ تاریخ قائدِ اعظم کی قبر پر لکھی ہوئی تحریر کے مطابق ہے اور عام کتب کے مطابق بھی مشہور یہی ہے کہ آپ ۲۵/ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ اس اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو دسمبر ۱۹۴۶ء کو "اکہتّرویں سالگرہ" کسی طرح نہیں ہو سکتی؛ ہاں، ۱۸۷۶ء سے ۱۹۴۶ء تک ستّر سال ہو جاتے ہیں، لہٰذا "ستّرویں سالگرہ" ہی درست ہے۔]

اُس جلسے کی تصویر جس میں مولانا نذیر احمد خجندؔی نے مندرجۂ بالا کلام پیش کیا:[148]

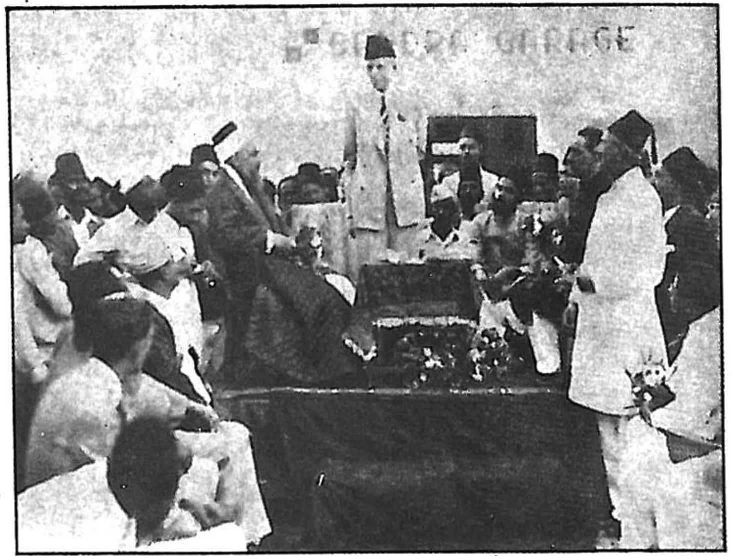

۱۹۴۶ میں قائدِاعظم کی سالگرہ پر منعقدہ ایک جلسہ کا منظر۔ عمامہ باندھے ہوئے مولانا نذیر احمد خجندی بیٹھے ہیں

[148] یہ تصویر مع زیریں کیپشن "رتی جناح" (صفحہ ۵۲) سے لی گئی ہے۔ یہی وہ تصویر ہے جو "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی" وغیرہ میں بھی موجود ہے، لیکن اُن کتابوں کے کیپشنز (Captions) میں یہ صراحت ہے کہ مولانا نذیر احمد خجندؔی نے قائداعظم کا نکاح پڑھایا۔

فنِّ تاریخ گوئی:

مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے فنِّ تاریخ گوئی کے متعلّق ماہ نامہ "شاہ راہ" کے اِداریے میں یہ عبارت رقم ہے:

"فنِّ تاریخ گوئی میں آپ اُس جوہرِ کمال کے مالک ہیں جس کی مثال اِس دور میں ہندوستان کے اندر مشکل سے ملے گی۔"[149]

ایک قطعۂ تاریخِ وفات (فارسی زبان میں):

مولانا خجندؔی کی تاریخ گوئی کے حوالے سے ہم یہاں اُن کے کہے ہوئے ایک قطعۂ تاریخِ وفات کے وہ چند اشعار بہ طورِ نمونہ پیش کرتے ہیں، جو جناب نور احمد میرٹھی صاحب نے محترم سیّد حبیب الرحمٰن شاہ صاحب کی تصنیف: "حیاتِ بشیر" سے نقل فرمائے ہیں۔ یہ تاریخی قطعہ مولانا نذیر احمد خجندؔی نے جناب خان بہادر بھیّا بشیر الدین تسخیؔر رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی: درمیانِ عصر و مغرب، بدھ، ۱۴/ رجب المرجّب ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۹/ جولائی ۱۹۴۲ء) کے وصال کے موقع پر فارسی زبان میں کہا تھا:

"ہر کہ پیدا شد بایں عالم کہ اصلِ او فنا ست
لازم آمد باز گردیدن بہ مُلکِ جاوداں
موت از بہرِ مسلمان ست پیغامِ وصال
آں کہ عشقِ حق ہمی دارد عزیز از جسم و جاں
می شود ہجرِ برادر درد ناک و غم فزا

[149] اداریہ، ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۲۔

لیک جز صبر و رضا چیزے نباشد حرزِ جاں
آں بشیر الدیں رئیسِ نام وَر عالی وقار
یک بہ یک رو کرد سوئے مالکِ کون و مکاں
آں کہ در اخلاق بودہ بے نظیر و بے عدیل
صاحبِ فہم و فراست، بذلہ سنج و نکتہ داں
چار شنبہ درمیانِ عصر و مغرب شد وصال
چاردہ تاریخ بودہ از رجب ماہِ رواں
بچّہ بچّہ زیں جدائی مضطرب آمد بہ دل
کے نہ باشد چار سو پیر و جواں گریہ کناں
دوستان و اَقربا بے تاب بہرِ دیدنش
شد وحید الدین از دردِ فراقش نیم جاں
کردگارا! جائے او باشد بہ قربِ پاکِ تو
بر مزارش بادِ ابرِ رحمتِ گوہر فشاں
کرد فکرِ سالِ رحلت چوں خجندیِؔ حزیں
ہاتفش گفتہ: ”بشیر الدیں برفتہ از جہاں“[150]
۱۳۶۱ھ

مولانا خجندؔی کی ایک تصنیف ”مخدومِ خجندؔی“ سے چند اشعار:

مولانا امداد صابری صاحب ”تذکرہ شعراءِ حجاز“ میں لکھتے ہیں:

”مولانا (نذیر احمد) خجندؔی نے اپنے بڑے بھائی جناب احمد مختار صدّیقی کے منظوم

150 ”تذکرۂ شعرائے میرٹھ“، صفحہ ۳۴۹۔

حالاتِ زندگی ’مخدومِ خجندؔی‘ کے نام سے تالیف کیے ہیں، جس میں اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے حالات اور اُن کی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے؛ فرماتے ہیں:

مجاہد فی سبیل اللہ، ولی اور وہ بھی ماں جائے
جو سوئے ہند بابر شاہ کے ہم راہ تھے آئے
وہ مولانا حمید الدّیں[151] خجندؔی مورثِ اعلیٰ
جنھوں نے فضلِ باری سے بہت کچھ مرتبے پائے
رہے وہ سیکری میں اور احمد اُن کے اِک بیٹے
سُنا ہے قصبۂ لاوڑ میں خود تشریف تھے لائے
گزاریں آٹھ پشتیں اس جگہ پھر شہر میرٹھ میں
جنابِ مظہر اللہ[152] نے مکانات اپنے بنوائے
سکونت شہر میرٹھ میں ہوئی جب کُل گھرانے کی
شرافت اور کرامت کے جواہر خوب چمکائے
بہ شانِ مہر و مہ روشن تھے والد و عمّ دونوں
فلک پر عزّت و توقیر کے، چمکے بہم دونوں
شہِ عبد الحکیم جوؔش و اسماعیل مولانا

151 ”تذکرہ شعراءِ حجاز“ میں اس جگہ ”حمیدی“ لکھا ہے جب کہ اصل نام ”حمید الدین“ ہے اور وزنِ شعری کے اعتبار سے یہاں ”حمید الدیں“ (نونِ غنّہ کے ساتھ) آنا چاہیے تھا اور مولانا نذیر احمد خجندؔی نے یہاں یقیناً ”حمید الدیں“ ہی لکھا ہو گا؛ جو کتابت کی غلطی سے ”حمیدی“ ہو گیا۔

152 حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی صدیقی کے دادا جناب پیر بخش کا تاریخی نام ”مظہر اللہ (۱۲۱۱ھ)“ تھا (رحمۃ اللہ علیہم)؛ آپ کی ولادت ۱۲۱۱ھ میں ہوئی تھی۔

زمانے کی نظر میں تھے بہت ہی محترم دونوں
مصنّف تھے، مؤلّف تھے کہ استادِ زمانہ تھے
رہے معروف تر اہلِ سخن، اہلِ قلم دونوں
بنائیں درس گاہیں، علم کے دریا بہانے کو
ہوئے مخدومِ ملّت، صاحبِ لطف و کرم دونوں"[153]

جناب امداد صابری صاحب نے "مخدومِ خجندؔی" ہی کے حوالے سے حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے اُن اشعار میں سے حسبِ ذیل چند شعر بھی نقل کیے ہیں، جن میں حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمات کو اُجاگر کیا گیا ہے:

"خدا نے جب یہ قدرت دی، ہوا جب مرتبہ اعلیٰ
تو اوّل شہر میرٹھ میں بہایا علم کا دریا
اٹاوہ میں رہے کچھ روز، اور اِندر بھی ٹھہرے
رہا بھوپال میں بھی فیضِ علمِ دین کا چرچا
کبھی وہ سامرود آئے، کبھی دَمَّن میں جا پہنچے
کبھی راندھیر ٹھہرے، علم سے ممتاز فرمایا
حصولِ علم کا بھی سلسلہ جاری رہا ہر دم
جہاں ذی علم پایا، شوق سے پھر علم دہرایا
خوشا قسمت رہے دو سال مکّے اور مدینے میں

153 "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص ۳۸۴۔

تو اس عرصے میں شانِ علم ہوتی رہی بالا"[154]
"حصولِ فیضِ باطن کے بڑے مشتاق تھے دل سے
نہ گھبراتے مشقت سے، نہ وہ ڈرتے تھے مشکل سے
کچھوچھہ اور بریلی جلوہ گاہِ فضلِ رحمانی
شرابِ معرفت پیتے رہے ہر ایک محفل سے
اسی صورت سے ڈربن میں کیا تعلیم کا چرچا
خصوصاً عورتوں کے خوش نما انجام کی خاطر
غرض تھی اُن کو خدمت سے، وہ کرتے ہی رہے خدمت
بِلا آخر اُنھیں جو جیل کی کلفت کا 'تمغا' تھا"[155]
"جہاں موقع وہ پاتے تھے وہیں مسلم بناتے تھے
زہے ہمّت، رہا یہ فیض جاری جیل کے اندر
زمانہ جانتا ہے وہ اُنھیں جو شوق تھا، اُس کا
اُنھی کے دم سے افریقہ میں یہ چرچا ہوا گھر گھر"[156]

مولانا امداد صابری صاحب نے اپنی ایک دوسری تصنیف "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر" میں بھی "مخدومِ خجندؔی" (صفحہ ۱۱) ہی کے حوالے سے ایک اور شعر نقل فرمایا ہے، جس میں مولانا خجندؔی نے "الاسلام" نامی اخبار کا ذکر کیا ہے، جو اُن کے

154 تذکرہ شعراءِ حجاز، ص۳۸۵۔

155 ایضاً، ص۳۸۶۔

156 ایضاً، ص۳۸۷۔

بڑے بھائی حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۰ء میں ڈربن (جنوبی افریقہ) سے گجراتی زبان میں جاری کیا تھا۔ وہ شعر یہ ہے:

"جب اس نکتے کو سمجھا، لے کے 'الاسلام' ہاتھوں میں
بتایا راز اہلِ دیں کو سب اور یہ مہم سر کی"[157]

مولانا خجندیؔ کے چند مزید اشعار/کلام:

امداد صابری صاحب مولانا خجندیؔ علیہ الرحمۃ کے چند اشعار کی تلاش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مولوی فضل الرحمٰن صاحب مدنی خلفِ مولانا ضیاء الدین صاحب مدنی نے خجندیؔ صاحب[158] کا حسبِ ذیل شعر لکھوایا ؎

آنکھیں روشن دل منوّر سبز گنبد دیکھ کر
ناز کرتا ہے مقدّر سبز گنبد دیکھ کر

خلافت تحریک میں چندہ دینے کے سلسلے میں مولانا خجندیؔ صاحب نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا، اس کا آخری شعر جناب خالد صاحب منیجر آزاد کتاب گھر، اردو بازار، دہلی نے سنایا ؎

جیل خانے سے خجندیؔ دے رہا ہے یہ صدا
نامِ احمد، نامِ مولا کچھ نہ کچھ تو دیجیے

157 "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر"، سببِ تالیف، ص ۴۲۔

158 رضی اللہ عنہم۔

جناب حبیب الرحمٰن صدّیقی میرٹھی نے مولانا خجندیؔ کا یہ شعر نقل کرایا ؎

کوئی کیوں جان کھاتا ہے ہمارے گائے کھانے پر
مہینوں میں یہاں نمبر نہیں آتا ہے سالن کا"[159]

آگرہ جیل کے ایک مشاعرے کی غزل:

امداد صابری صاحب مولانا خجندیؔ کی ایک غزل کی کھوج کا قصّہ یوں بیان کرتے ہیں:

"میں مولانا خجندیؔ کے کلام کی کھوج میں تھا کہ ایک روز خالد صاحب منیجر آزاد کتاب دہلی نے بتایا کہ 'آج کل دہلی' کے کسی پرچے میں 'شعراءِ زنداں' کے عنوان کے تحت جیل کے ایک مشاعرے کی روئیداد چھپی ہے، اس میں مولانا خجندیؔ کی بھی غزل ہے۔ چنانچہ اس رسالے کی تلاش شروع ہوئی۔ ریاض صدّیقی صاحب سے اس کا ذکر آیا، اُنھوں نے یہ رسالہ دینے کا وعدہ کیا، جس کو ایفا بھی کیا اور ۱۵/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو ستمبر ۱۹۶۴ء کا 'آج کل' عنایت کیا۔ یہ مشاعرہ آگرہ جیل میں ہوا تھا، جس کی روئیداد مولانا عارف ہسوی صاحب نے لکھی تھی، جو اُس زمانے میں آگرہ جیل میں مقیّد تھے۔ اس روئیداد کو ترتیب دے کر مظفر حنفی ہسوی صاحب نے 'شعراءِ زنداں' کے عنوان سے 'آج کل' کے پرچے میں چھپوایا۔ اس مشاعرے میں مولانا خجندیؔ کے علاوہ خواجہ عبد المجید پرنسپل نیشنل یونی ورسٹی علی گڑھ، رگھوپتی سہائے فراقؔ، مولانا شاہد فاخری، کرشن کانت مالویہ، زمردؔ سکندر آبادی، حفظ الرحمٰن فرخ آبادی، رام نریش ترپاٹھی اور احمق پھپوندوی نے اپنا کلام سنایا اور مولانا خجندیؔ نے یہ غزل پڑھی ؎

159 "تذکرۂ شعرائے حجاز"، ص ۳۹۰۔

تشنہ کامی پہ مِرے آپ کا احساں نہ ہوا
آبِ خنجر سے بھی تسکین کا ساماں نہ ہوا
وار پر وار کیے پھر بھی میں بے جاں نہ ہوا
ہے یہ ارمان کہ پورا مِرا ارماں نہ ہوا
اور ایجاد کرو ظلم و ستم کے انداز
پورا مطلب نہ ہوا آپ کا ہاں ہاں نہ ہوا
منزلِ عشق پہ پہنچا نہیں کوئی جب تک
یا بجولاں نہ ہوا چاک گریباں نہ ہوا
ذرّے ذرّے میں نظر آتا ہے کس کا جلوہ
رازِ وحدت ترا کثرت میں بھی پنہاں نہ ہوا
آسماں سمجھے ہیں جس کو وہ مِری آہیں ہیں
عرش رس کب مِرا دودِ دلِ سوزاں نہ ہوا
خلعتِ غیر سے بہتر ہے لنگوٹی اپنی
جذبۂ عشق میں حارج تنِ عریاں نہ ہوا

مولانا عارف ہسوی نے تحریر کیا ہے کہ یہ تمام غزل مرصّع اور اُستادانہ تھی، بہت پسند کی گئی اور مولانا خجندؔی نے یہ غزل سب سے آخر میں پڑھی۔ مولانا اپنی چھ ماہ قید جیل خانے میں پوری کر رہے تھے۔"[160]

[160] "تذکرۂ شعرائے حجاز"، ص ۳۹۰ تا ۳۹۱۔

یومِ ولؔی کے موقع پر ایک مشاعرہ زیرِ اہتمام مجمع الادب بمبئی:

اسماعیلیہ کالج اندھیری (بمبئی) کے اساتذہ کی قائم کردہ ایک ادبی انجمن "مجمع الادب بمبئی" نے اتوار، ۷/ فروری ۱۹۳۷ء کو "یومِ ولؔی" کے نام سے ہندوستان کے مشہور شاعر ولؔی کی دو صد سالہ برسی منائی۔ اِس موقع پر جناب پروفیسر سیّد نواب علی صاحب (سابق وزیرِ تعلیم، ریاست جوناگڑھ) کی زیرِ صدارت ایک زبردست اور شان دار مشاعرے کا انعقاد کیا گیا، جو بڑا کام یاب رہا۔[161]

اس مشاعرے میں جہاں دیگر شعرا نے اپنا کلام سنایا، وہیں حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے کلام سے حاضرین کی سماعت کو محظوظ کیا، جس کا ذکر ماہ نامہ "شاہ راہ" میں اس طرح ملتا ہے:

"حضرت علامہ خجندؔی صاحب نے تاریخ زبانِ اُردو کے سلسلے میں چند رُباعیاں سنانے کے بعد مسدّسِ حالی کے وزن پر ایک جامع اور مختصر مسدّس پیش کیا، جو تاریخ زبانِ اُردو پر حاوی تھا؛ اور آخر میں مختصراً حضرتِ ولؔی کا ذکر۔"[162]

اس مشاعرے کی تفصیلی خبر ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ کے شمارے (صفحہ ۲۴) میں موجود ہے؛ اور مولانا خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورۂ بالا مسدس آنے والی سطور میں نذرِ قارئین کی جارہی ہے۔

[161] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی: ذی الحجّہ ۱۳۵۵ھ، ص ۲؛ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۲۴، مُلَخَّصًا۔
[162] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۲۴۔

نظمِ مسدّس (تاریخِ زبانِ اُردو):

اب ہم ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی سے حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ نظمِ مسدّس ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ نظم کے اوپر جو سرخی (Heading) اور وضاحتی عبارت (Caption) ہے، وہ خود ماہ نامہ "شاہ راہ" ہی سے نقل کی گئی ہے:

"یومِ ولیؔ، حضرت ولیؔ کی دو صد سالہ برسی

از خطیب العلما حضرت مولانا نذیر احمد صاحب خجندؔی

وہ نظمِ مسدّس جو ۷/فروری ۱۹۴۳ء یک شنبہ (اتوار) کو مجمع الادب بمبئی کے معرکۃ الآرا مشاعرے میں، بہ مقام اسماعیل کالج اندھیری، پڑھی گئی:

ہماری حکومت کا تھا وہ زمانہ　　کہ جاہل بھی ہوتا تھا اک مردِ دانا
جو تھے اہلِ فن، تھے وہ فرد و یگانہ　　نظر عالمانہ، خرد فاضلانہ
کشش اور جذبات کا وہ اثر تھا
کہ خلقت کے دل میں ہمارا ہی گھر تھا

ہماری ہی سطوت کا تھا بول بالا　　ہماری ہی صولت کا تھا خوب چرچا
ہماری ہی عزّت کا بجتا تھا ڈنکا　　ہماری ہی رفعت کا روشن تھا تارا
زمانے میں سکّہ ہمارا رواں تھا
ہمارے ہی قبضے میں ہندوستاں تھا

فنون و کمالات کے ہم تھے بانی　　طبائع میں موجود تھی اِک روانی
دماغوں سے کرتے تھے گوہر فشانی　　تھی ممنونِ احسان کل راج دھانی
زمانے کی خاطر وہ اُستاد ہم تھے

کہ اہلِ ہنر، اہلِ ایجاد ہم تھے

سُنو! فارسی جب یہاں حکم راں تھی　　عرب کی زباں اہلِ دیں پر عیاں تھی
جو تھی سنسکرت، اِک زباں نیم جاں تھی　　مگر خلق میں "برج بھاشا" رواں تھی
دکھایا زمانے کو ہم نے تماشا
بُھلا دی دماغوں سے وہ برج بھاشا

کمالات و الطاف اہلِ زباں سے　　زباں ایک پیدا ہوئی عزّ و شاں سے
اُٹھا نعرۂ فتح ہندوستاں سے　　یہ للکار کر کہہ دو اہلِ جہاں سے
مبارک سی قائم یہ بنیاد کر دی
زباں اِک نئی ہم نے ایجاد کر دی

یہ ہونٹوں سے نکلی تو کوٹھوں پہ پہنچی　　دلوں میں جگہ کی، دماغوں میں بیٹھی
جسے دیکھیے، ہے اسی کی چہیتی　　جدھر دیکھیے، دھوم ہے اس زباں کی
جو اِک تحفۂ عہدِ شاہِ جہاں ہے
وہ نادر زباں صرف اُردو زباں ہے

زبانوں کے لفظوں پہ قبضہ جمایا　　اِکٹھی ہوئی چار جانب سے مایا
قرینے سے سب پہلوؤں کو سجایا　　نئی شان سے اس زباں کو بنایا
زبانوں کی ہے اصل میں کان اُردو
زبانوں پہ ہے سب سے آسان اُردو

ہوئی ہے یہ اُردو جو دہلی میں پیدا　　ہے دہلی کو اِک ناز اور فخر اس کا
مگر جب دکن میں قدم اس کا پہنچا　　تو اس کو نئے ایک سانچے میں ڈھالا
ہوا نظمِ اُردو کا چرچا جہاں میں

نیا لطف پیدا ہوا اِس جہاں میں

یگانہ وہ اُستاد ہے اپنے فن کا   بڑا ایک ماہر ہے شعر و سخن کا

ہے گجرات میں ایک ساکن دکن کا   وہی صدرِ عالی ہے اِس انجمن کا

یہ تاریخ میں نام جس کا جلی ہے

وہ مشہور شاعر ولیؔ ہے ولیؔ ہے

وہ خود فطرتاً طبعِ ذی شان پا کر   وہ اُردو میں نظموں کا نغمہ سنا کر

وہ ذوقِ سخن کو دلوں میں بڑھا کر   غزل اور رُباعی سے دیواں سجا کر

سبق دے گیا اِک نرالی ادا سے

کہ معلوم ہوتے ہیں سب جس کے پیاسے

سُنیں غور سے! خیر خواہانِ اُردو   یہ ہے سب سے پہلا زباں دانِ اُردو

کہ جس نے بڑھائی ہے خود شانِ اُردو   بنا پاسبان و نگہبانِ اُردو

کیا نظمِ اُردو کو روشن اِسی نے

سکھایا زمانے کو یہ فن اِسی نے

وہی قوم پائے گی یاں سر بلندی   ہے آتی جسے قدرِ احسان مندی

خدا کو بھی محبوب ہے حق پسندی   ولیؔ کا ستارا جو چمکا خجندؔی

یہ تحریک و تجویز کیا خوب سوجھی

مناتے ہیں اُس کی دو صد سالہ برسی"[163]

---

163 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ذی الحجّہ ۱۳۵۵ھ، صفحہ ا، ٹائٹل۔

"عیدِ قرباں کی شان

بَارَکَ اللہ! بَارَکَ اللہ! رحمتِ پروردگار

سال بھر کے بعد پھر اِس عید کی دیکھی بہار

عید قرباں، عیدِ اضحیّہ ہے یا عیدِ بقر

جو کہو ہے یہ خلیل اللہ کی اِک یادگار

آج کے دن حکم سے اُس کے کہ ہے جس نے دیا

پیارے بیٹے کو وہ راہِ حق میں کرتے ہیں نثار

ایک اکلوتا وہ بیٹا اپنے ماں اور باپ کا

ہاجرہ ہوتی ہے صدقے جس پہ با صد حالِ زار

سرمہ آنکھوں میں لگا، بالوں میں کنگھا بھی ہُوا

تھا لباسِ فاخرہ زیبِ بدن اِک شان دار

قربِ کعبہ عید کا دن اور منیٰ کا ہے مقام

دوست سے ملنے کو جاتا ہے یہ بچّہ ذی وقار

صدقے ایسی ماں کے دل جگرا تو اِس کا دیکھیے

اُس کی قربانی ہے سو دل سے جسے کرتی تھی پیار

حکمِ حق سے نامِ حق پر ذبح کرنے لے چلا

صدقے ایسے باپ کے محوِ رضائے کردگار
اپنی قربانی کے ذکرِ خیر پر کرتا ہے ناز
صدقے اس بچّے کے ہے کیا ہوشیار و ہونہار
آج اپنی عید میں بھی چاہیے اس پر عمل
دین پر کر دیں فدا یہ زندگیِّ مُستعار
اے خجندؔی! جو ہُوا قربان حق کی راہ میں
ہم سے پوچھو تو وہی ہے اِس جہاں میں ہوشیار"[164]

"جان پہ اپنی کھیل کر جس نے تمھیں دِکھا دیا

تیر یہ کس بَلا کا تھا، آج نگاہِ یار میں
زخم نیا سا کر گیا اور دلِ فگار میں
اُف وہ کسی کی اِک نظر، میں تو تڑپ اُٹھا وہیں
منھ سے کہوں تو کیا کہوں، دل بھی ہو اختیار میں
اِتنا تو مجھ کو یاد ہے تم نے پلائی تھی کبھی
روزِ ازل سے آج تک ہوں مَیں اسی خمار میں
گرسنگیّ و تشنگی، بے وطنیّ و بے بسی
صورتِ امتحاں ہے کیا عشقِ کار زار میں

[164] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ذی الحجّہ ۱۳۵۵ھ، ص ۳۔

صبر و قناعت و رضا، ضبط و خموشی و وفا
اپنی حدوں سے ہیں سوا عاشقِ جاں نثار میں
ظلم و جفا، غضب، ستم دیر سے سہ رہے ہیں ہم
یاں ہے سرِ نیاز خم، جو ہو مزاجِ یار میں
جان بجے[165] اور اس جگہ کوچۂ یار کی نہ پوچھ
سینکڑوں مر مٹے یہاں، میں تو ہوں کس شمار میں
خنجرِ غیر سے بھی گر سر ہو جدا، ہُوا کرے
مست ہے دل تصوّرِ کیفِ وصالِ یار میں
جان پہ اپنی کھیل کر جس نے تمھیں دِکھا دیا
فرد ہے روز گار میں ایک ہے وہ ہزار میں
بزمِ عدو میں بار بار چرکے لگے جو نا گہاں
زخمِ جگر ہرے ہوئے، آگ لگے بہار میں
نظم ہو یا غزل ہو وہ، مرثیہ یا سلام ہو
کہیے، خجندؔیِ حزیں! یہ تو ہے اختیار میں"[166]

[165] ماہ نامہ "شاہ راہ" میں اِس مقام پر لفظِ "بجے" ہی لکھا ہوا ہے؛ ہو سکتا ہے کہ یہاں درست لفظ "بچے" ہو، کتابت کی غلطی سے "بجے" ہو گیا ہو۔ (ندیم)

[166] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام، ۱۳۵۶ھ، ص ۳۔

"نظمِ سریرِ عزّت (۱۹۳۷ء)[167]

بتقریبِ مبارکباد کامیابیٔ انتخاب مجلسِ قانون ساز صوبۂ بمبئی

بہ والا خدمت محبِّ محترم سیٹھ محمد علی اللہ بخش صاحب جے۔پی۔

از حضرت علّامہ خطیب العلما مولانا نذیر احمد صاحب خجندیؔ

قوم کا ایک درد مند آ گیا انتخاب میں
اس کو بھی سمجھو انقلاب دہر کے انقلاب میں
اے کہ محمد و علی ہیں ترے سیّد و ولی
اور ہے "بخششِ الٰہ" جمع ترے حساب میں
دنیا تو اِک مکر ہے ملتی ہے اہلِ مکر کو
مذہبی آدمی کوئی یاں پہ ہے کس حساب میں
لیک ترا خلوص و درد آ گیا آج تیرے کام
مل گئی تجھ کو بھی جگہ اِک صفِ کامیاب میں
صوبۂ بمبئی میں خوب رُکنِ اسمبلی بَنا
ہو گیا کام گار آج تو بھی تو فتحِ باب میں
تیرے خلوص کا اثر جن کے قلوب پر ہوا
ڈال دی اپنی اپنی رائے سب نے ترے حساب میں

167 "نظمِ سریرِ عزّت" کے اعداد "۱۹۳۷" بنتے ہیں؛ اور یہ نظم ۱۹۳۷ء ہی میں لکھی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم کا تاریخی نام ہے۔ (ندیم)

ایڑ لگاتے ہی ترا گھوڑا تو دوڑتا چلا
ہو گئی ساتھ ساتھ پھر فتح و ظفر رکاب میں
کارکنوں کو یک بہ یک مِل گیا محنتوں کا پھل
عہدِ وفا کی روشنی چُھپ نہ سکی حجاب میں
ربِّ کریم و ذو الجلال! تیرے کرم کو دیکھ کر
ہدیۂ شکر پیش ہے دل سے تری جناب میں
سیٹھ محمد علی ہے یہ خدا کا فضلِ خاص
خوب بڑھایا اِک قدم اور رہِ صواب میں
صورتِ یادگار ہے قولِ خجندیِؔ دلیر
آپ ہیں صاحبِ شرف آج کے انتخاب میں

روزِ دوشنبہ (پیر)، ۲۲/ فروری ۱۹۳۷ء"[168]

ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی محرم الحرام ۱۳۵۶ھ کے صفحہ ۱۳/ پر مولانا خجندیؔ کے تین کلام: [(۱) نعت شریف (۲) سلام محرّم الحرام (۳) غزل] درج ہیں اور اوپر "کلامِ خجندیؔ (از خطیب العلما مولانا نذیر احمد صاحب خجندیؔ)" کی سرخی (Heading) کے ساتھ درجِ ذیل عبارت مرقوم ہے:

"وہ مقبول کلام جو بحیثیت صدر مشاعرہ بزمِ مینائی بمبئی ۶/مارچ ۱۹۳۷ء کو پیش کیا گیا۔"

آئندہ سطور میں، ہم مذکورۂ بالا تینوں کلام، جو ایک ہی زمین میں کہے گئے ہیں، ہدیۂ قارئین کر رہے:

168 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرّم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۳۶۔

نعتِ پاک

لگی ہے 'لَو' خدا و مصطفیٰ سے
زبانِ دل ہے تر، حمد و ثنا سے

جو دل شاداں ہے حمدِ کبریا سے
تو جاں مسرور! نعتِ مصطفیٰ سے

وہ کُل عالم میں یکتا اور یگانہ
یہ برتر ساری مخلوقِ خدا سے

وہ بھیجے دینِ حق اور پاک قرآں
یہ پھیلائیں اُسے خُلق وِلا سے

وہ معطی نعمتوں اور دولتوں کا
یہ قاسم رحمتِ ربّ العُلا سے

وہ رب اور ذرّے ذرّے کا وہی رب
یہ رحمت اور اُسی شان و ادا سے

وہ ہادیِٔ حقیقی راہِ حق کا
یہ دل بھر دیں رضا و اِتّقا سے

وہ ماؤں سے زیادہ لطف فرما
یہ دل کو موہ لیں پیاری ادا سے

وہ دانا مدّعائے دل کا دانا
یہ واقف، دردِ دل کی ہر صدا سے

وہ ذاتِ پاک ہے خود نورِ مطلق
سراپا نور یہ فضلِ خدا سے

خجندؔی اپنی اِس قسمت پہ نازاں
کہ نسبت ہے خدا و مصطفیٰ سے

سلامِ محرم الحرام

محبّت ہے جسے ربّ العُلا سے
بسر کرتا ہے وہ صبر و رضا سے

جدا ہو کر مدینے کی فضا سے
چلا یہ کون حکمِ مصطفیٰ سے

ہے مضطر دل صدائے درد زا سے
جو آتی ہے زمینِ کربلا سے

کسے نرغے میں پھانسا ہے دغا سے؟
ستم سے، ظلم سے جور و جفا سے

کئی دن کے یہ بھوکے اور پیاسے
محمد مصطفیٰ کے ہیں نواسے

مصائب میں ہے دل پر کیا گزرتی
پتا کیسے اِک مبتلا سے

سمجھتا ہے وہ کیوں، آفت کو راحت؟
یہ پوچھو! راز اِک درد آشنا سے

جوان و پیر کیا "ننھا سا بچّہ"
شہادت پا چکا تیرِ جفا سے

الٰہی! یہ بھی کوئی آدمی ہیں؟
جو شرماتے نہیں آلِ عبا سے

دلوں پر حرصِ دنیا چھا رہی ہے
ذرا بھی تو نہیں ڈرتے خدا سے

خجندؔی! عشق کی منزل کٹھن ہے
نہ ہو "غیبی مدد" گر کبریا سے

غزل

میں ہوں بے فکر، عرضِ مدّعا سے
کہ بن مانگے ہی ملتا ہے خدا سے

ہوا روشن حقیقت آشنا سے
بقا کا لطف آتا ہے فنا سے

مزا آتا ہے تڑپانے میں اُن کو
یہی ہے دل لگی ہر مبتلا سے

بساطِ دہر کی کیا پوچھتے ہو
پلٹ جاتے ہیں یاں دم بھر میں پاسے

خدا پر چھوڑ دی کشتیِٔ ہستی
نہ نکلا کام جب کچھ نا خدا سے

شراب و خم سے کیا مطلب ہے ساقی
تِری چشمِ کرم کے ہم ہیں پیاسے

وہ مجرم بارگاہِ عشق کا ہے
جو کہہ دے رازِ دل نا آشنا سے

مزا جو سوزِ برقِ حسن میں ہے
نہ پوچھو میرے قلبِ شعلہ زا سے

ہے لطفِ زندگانی درد ہی میں
تو مطلب کیا مسیحا اور شفا سے

جو غم ہو جائے میرا جاودانی
تو پھر بے فکر ہو وہمِ فنا سے

وہ عقدہ بن گیا آبِ بقا بھی   جو کھل سکتا نہ تھا اِک آشنا سے
جنابِ خضر! یہ کیا ماجرا ہے   سکندر رہ گئے پیاسے کے پیاسے
ازل کے روز سے مجھ کو خجندؔی!
محبّت ہے دلِ درد آشنا سے[169]

"صوت الحق"

قوم! ہاں اے قومِ مسلم! تیری مدہوشیاں
کر چکیں برباد و ویراں تیری رفعت کا مکاں
قوم! ہاں اے قومِ مسلم! تیری یہ بے فکریاں
لا چکیں بس لا چکیں تیرے گلستاں میں خزاں
قوم! ہاں اے قومِ مسلم! تیری غفلت پروری
بن چکی بس بن چکی تیری مذلّت کا نشاں
قوم! ہاں اے قومِ مسلم! دیکھ تیری بے حسی
ہو چکی بس ہو چکی سارے زمانے پر عیاں
اُف! یہ مستی! کیا کوئی حد بھی تِری مستی کی ہے
غیر قومیں ہیں مٹاتی تیرے ایماں کا نشاں
اُف! یہ بے فکری! کوئی حد تیری بے فکری کی ہے
غیر قومیں کس قدر پہنچا چکیں تجھ کو زیاں

[169] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۱۳۔

اُف یہ غفلت! کیا کوئی حد بھی تِری غفلت کی ہے
غیر قومیں لے رہی ہیں تیرے دل میں چٹکیاں
اُف یہ تیری بے حسی! کچھ بے حسی کی حد بھی ہے
غیر قومیں چوستی ہیں خوں تیرا بے گماں
اب تجھے فکر و تدبّر سے بھی کچھ لینا ہے کام
تازہ کر اپنے عمل سے پھر سَلَف کی داستاں
تُو سراپا ہے "کہانی"! وہ سراپا تھے "عمل"!
بن پئے "درسِ عمل" اب تو ہی "اُستادِ زماں"!
تُو سراپا ہے "خزاں"! اور وہ سراپا تھے "بہار"!
اب زمانے کو دکھا بن کر "بہارِ بے خزاں"!
تُو سراپا "خوف" ہے اور وہ سراپا "رعب" تھے
صولت و سطوت سے پھر تسخیر کر سارا جہاں!
تُو سراپا "ننگ" ہے وہ تھے سراپا "افتخار"!
اپنی ہستی کو بنا دے "امتیازِ عزّ و شاں"!
دیکھ! اُن کے دم سے، عالم میں بنی اِک "شاہ راہ"
تو بھی چل پہچان کر، اب ان کے قدموں کا نشاں!
دیکھ! اُن کے دم سے، دنیا میں مچا تھا "تہلکہ"
تو بھی کر دے صولت و سطوت کا اِک سکّہ رواں!
دیکھ! اُن کے دم سے، ڈنکا بج رہا تھا دہر میں
تو بھی اپنے نام کا ڈنکا بجا با عزّ و شاں!

دیکھ! اُن کے دم سے، تھی شانِ حکومت جلوہ گر
تو بھی کچھ دم خم دکھا "محکوم" سے ہو "حکم راں"!
یہ جتا دے: جلوۂ کامل ہمارے دل میں ہے
ہم بتا دیں گے کہ: کیوں کر زندہ رہتے ہیں یہاں!
یہ دکھا دے: جوشِ غیرت ہے رگوں میں موج زن
ہم مٹا دیں گے جہاں سے اپنے اعدا کا نشاں!
دہر میں تاریخ پھر دہرائے گی اپنا سبق
آفتابِ دینِ حق دنیا پہ ہو گا "ضو فشاں"
پھر عَلَم اسلام کا لہرائے گا با کرّ و فر
کام یابی کا نشاں ہو گا یہی "فوجی نشاں"
رحمتِ خالق رہے گی پھر ہمارے ساتھ ساتھ
خلق پر غالب رہیں گے صورتِ شیر ژیاں
دستِ قدرت پھر ہماری پشت پر ہو گا معیں
لرزہ براندام ہو گا ہم سے ہر شاہِ شہاں
قوّتِ اسلام کا ہو گا تسلّط دہر میں
ہیبَتِ اسلام کا پھر دیکھ لینا اِک سماں
اے خجندؔی! مرکزِ اسلام ہو گا مُلکِ ہند
ہم کو کرنا ہے یہیں سے دین کا سکّہ رواں"[170]

[170] ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی، صفر المظفّر ۱۳۵۶ھ، ص ۱۱۔

"دنیائے عشق

تیری نظر میں عالَمِ ناپائیدار ہے / دنیائے عشق دیکھ! یہاں کیا بَہار ہے
غم، دردناک غم، جسے کہتا ہے کُل جہاں / عاشق کی زندگی کا اُسی پر مدار ہے
دنیا چمن کی سیر سے رہتی ہے شاد کام / یاں اِک بہار خیز دلِ داغ دار ہے
دنیا کے مَے کدوں میں ہے مخلوق کا ہجوم / یاں چشمِ مستِ یار کا سر میں خمار ہے
تسکین سب کو ہوتی ہے دیدارِ یار سے / یاں اور دیدِ یار سے دل بے قرار ہے
دنیا کے لوگ موت سے ڈرتے ہیں اور یہاں / لطفِ بقا کا موت پہ ہی انحصار ہے
رہرو کوئی ہو آبلہ پائی سے مر مٹے / یاں کَیف بخش آبلہ ہر نوکِ خار ہے
ہوتی ہیں بات بات میں سب کو شکایتیں / یاں حرفِ شکوہ آئے زباں پر یہ عار ہے
المختصر! یہاں کی فضا ہی عجیب ہے / جو سب کو ناگوار، یہاں خوش گوار ہے
بے چین سا رہے جو سدا دردِ قلب سے / دنیائے عاشقی میں اسی کا شمار ہے

سب کو کہاں نصیب خجندؔی یہ شانِ عشق
ناداں ہیں وہ، جو کہتے ہیں یہ خارزار ہے"[171]

"کوئی قدسی یہ راز کیا جانے

عشق رنگِ مَجاز کیا جانے / خلق سے ساز باز کیا جانے
سر تو جھک جائے گا ترے آگے / مست بندہ نماز کیا جانے
قلبِ محمود میں ہے اُس کی قدر / قدر اپنی ایاز کیا جانے

[171] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، صفر المظفّر ۱۳۵۶ھ، ص ۶۔

تیرا مَحرم ہے خاک کا پتلا   کوئی قدسی یہ راز کیا جانے
یاں مُساوی ہے خُرّمی و غمی   عشق یہ امتیاز کیا جانے
”حُسن“ اِک خود نما جبلّت ہے   پھر وہ عجز و نیاز کیا جانے
ہائے، اے شمعِ سوز! پروانہ   تیرا قلبِ گُداز کیا جانے
وصل اور ہجر میں یہ محوِ جمال   فرق اور امتیاز کیا جانے
رند مشرب سے لطفِ مَے پوچھو   زاہدِ پاک باز کیا جانے
جس کا مسلک ہو خود فراموشی   وہ نشیب و فراز کیا جانے

اے خجندی! نگاہِ ظاہر بیں
رازِ فطرت نواز کیا جانے“[172]

رُباعیّاتِ خجندی:

سیّد الشہدا حضرت اِمام حُسین رضی اللہ عنہ کی شان میں

آئینۂ شانِ مصطفیٰ ہست حُسین!   محبوبِ حبیبِ کبریا ہست حُسین!
جاں بازیِ اوست درسِ بہرِ عُشّاق   در کرب و بلا محوِ رضا ہست حُسین

از خجندی، بمبئی، یکم محرم الحرام ۱۳۵۴ھ[173]

[172] ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۱۳۔
[173] ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی، محرّم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۵۔

دنیا کے توہّم سے نکلنا سیکھو!   اِک آگ ہے عشق اِس سے جلنا سیکھو!
تم شب کو اُٹھو! رب کو منانے کے لیے   سیکھو! یوں نفس کا کُچلنا سیکھو!

فی البدیہہ، ۱۰؍اپریل ۱۹۳۵ء، خجندی۔[174]

صد شکر کہ: پھر آئی یہ عیدِ قرباں   اللہ تعالیٰ کا ہے کیسا احساں
اِس عید میں جانور کی قربانی سے   ہوتا ہے ادا پیشِ خدا صدقۂ جاں

فی البدیہہ، ۲۳؍ جنوری ۱۹۳۷ء، خجندی۔[175]

مولانا خجندی کے منظوم تراجم:

حضرت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض شعرا کے فارسی کلام کو اُردو منظوم ترجموں کے قالب (سانچے) میں بھی ڈھالا ہے۔ تا دمِ تحریر ہمیں جتنے کلاموں کے ترجمے مِل سکے، وہ ہم ذیل میں قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

کلام: حضرت امیر خسرو قُدِّسَ سِرُّہُ الْعَزِیْز

یاراں کہ بودہ اند، ندانم کجا شدند
یا رب! چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

[174] ماہ نامہ ” شاہ راہ “، بمبئی، ذی الحجّہ ۱۳۵۵ھ، ص ۵۔
[175] ماہ نامہ ” شاہ راہ “، بمبئی، ذی الحجّہ ۱۳۵۵ھ، ص ۵۔

گر نو بہار آید و پرسد زِ دوستاں
گو! اے صبا!! کہ آں ہمہ گلہا گیا شدند
اے گُل چو آمدی زِ زمیں، گو! چہ گونہ اند
آں روئے ہا کہ در تہِ گردِ فنا شدند
آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند
اکنوں نظارہ کُن! کہ ہمہ خاکِ پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک
آں ذرّہ ہا کہ ہر ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچہ ایست طفلِ فریب ایں متاعِ دہر
بے عقل مردماں کہ بدیں مبتلا شدند
خسرَوا! گریز[176] کن! کہ وفا رفت[177] زیں جہاں
زِ اہلِ جہاں کہ ہم چو جہاں بے وفا شدند

منظوم ترجمہ: مولانا نذیر احمد خجندؔی

گزرے ہیں جتنے یار، خدا جانے کیا ہوئے
یا رب! وہ کیسا دن تھا کہ ہم سے جدا ہوئے

176 ماہ نامہ "شاہ راہ" میں اس مقام پر "گزیز" تھا، جسے درست کر کے "گریز" کرلیا گیا ہے۔ (ندیم)

177 ماہ نامہ "شاہ راہ" میں اس جگہ "رقت" تھا، جسے درست کر کے "رفت" کرلیا گیا ہے۔ (ندیم)

جب نو بہار یاروں کو پوچھے، تو اے صبا!
کہنا! وہ گُل گِیاہ کی صورت ہوا ہوئے
اے پھول! تو زمیں سے ہے نکلا تو یہ بتا
کیسا ہے اُن کا حال جو اس میں فنا ہوئے
سردار وہ جو تاجِ سرِ خلق تھے کبھی
اب دیکھیے تماشا کہ سب خاکِ پا ہوئے
ذرّے جو آفتاب کی صورت تھے جلوہ گر
ایسے چُھپے زمیں میں کہ بس بے پتا ہوئے
بچّوں کے ہے بہلنے کا میداں یہ کُل جہاں
بے عقل ہیں وہی جو یہاں مبتلا ہوئے
خُسرَو! یہاں سے بھاگ کہ جاتی رہی وفا
دنیا کی طرح اہلِ جہاں بے وفا ہوئے[178]

کلام: اعلیٰ حضرت سلطان العلوم خُسرَوِ دکن

تا دَورِ چشمِ مستِ تو ساقی بکامِ ماست
در بزمِ عیش بادۂ عشرت بجامِ ماست
جامی دہند شیشہ و ساغر بہ چشم و دل
در میکدہ بہ بیں چہ قدر احترامِ ماست

178 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرّم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۱۲۔

تا بر درت بہ خاکِ ارادت نشستہ ایم
خورشید و ماہ خادم و گردوں غلامِ ماست
زاہد حرام داشت مے و جام را ولے
ما عاشقیم و میکدہ بیت الحرامِ ماست
عثمانؔ کرا مجال کہ دم پیشِ ما زند
در مُلکِ عشق سکّۂ شاہی بنامِ ماست

منظوم ترجمہ: مولانا نذیر احمد خجندؔی

کر چکا دورِ نگاہِ مستِ ساقی شاد کام
بادۂ عشرت ہے بزمِ عیش میں یہ اپنا جام
چشم و دل میں شیشہ و ساغر جگہ دینے لگے
مے کدے میں دیکھیے کیا ہے ہمارا احترام
تیرے در کی خاک پر بیٹھے عقیدت سے جو ہم
مہر و ماہ و چرخ سب کے سب ہیں خدّام و غلام
کر لیا زاہد نے جامِ مے حرام اپنے لیے
ہم ہیں عاشق اور ہمارا "مے کدہ" "بیت الحرام"
کوئی دم مارے خجندؔی اُن کے آگے کیا مجال
سکّہ مُلکِ عشق کا ہے حضرتِ عثماں کے نام[179]

[179] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، صفر المظفر ۱۳۵۶ھ، بیرونی سرورق۔

کلام: حضرتِ عرفؔی

اُمیدِ عیش کجا و دلِ خراب کجا
ہوائے باغ کجا طائرِ کباب کجا
بہ مے نشاطِ جوانی بدست نتواں کرد
سُرورِ بادہ کجا نشّۂ شباب کجا
بہ ذوقِ کلبۂ رنداں کجاست خلوتِ شیخ
حریمِ کعبۂ خلوت کجا شراب کجا
بَلائے دیدہ و دل را زِ پے شتابانم
کسے نگویدم اے خانماں خراب کجا
نوائے عشقِ ابد می سرود عرفؔی دوش
کجاست مطرب و آہنگ ایں رباب کجا

منظوم ترجمہ: حضرتِ خجندؔی

کہاں یہ عیش کی حسرت، دلِ خراب کہاں
ہوا چمن کی، پرندوں کے وہ کباب کہاں
شراب سے کہیں انساں جوان بنتا ہے
کہاں یہ رند کی مجلس، کہاں وہ گوشۂ شیخ
تو درد سے ہی نباہ، درماں مت چاہ
حریمِ کعبۂ خلوت کہاں، شراب کہاں
پڑا ہوں دیدہ و دل کی بلا کے پیچھے میں
کہے یہ کون ہے وہ خانماں خراب کہاں
جو نغمہ عشقِ ابد کا سنا تھا کل عرفؔی
کہاں وہ نغمۂ عشق شورشِ رباب کہاں[180]

کلام: مرزا محمد علی صائبؔ تبریزی

در ہوائے کارِ دنیا می فشانی جاں چرا
می کنی در راہِ بت صیدِ حرم قرباں چرا
می کشد آبائے علوی انتظارِ مقدمت
ماندۂ در بند ایں گہوارہ چوں طفلاں چرا

[180] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۱۵۔

چشم بر راہِ تو دارد تاجِ زرّینِ شہاں
بر صدف چسپیدہ، اے گوہرِ رخشاں چرا
چیست اسبابِ جہاں تا دل بدو بندد کسے
می کُنی زنّار را شیرازۂ قرآں چرا
درد می گردد دوا چوں کام رانی می کند
می کشی نازِ طبیب و منّتِ درماں چرا
ہیچ قفلے نیست بکشاید بہ آہِ نیم شب
ماندۂ در عقدۂ دل ایں قدر حیراں چرا
ساحلِ بحرِ تمنّا نیست از کامِ نہنگ
می روی صائبؔ دریں دریائے بے پایاں چرا

منظوم ترجمہ: مولانا نذیر احمد خجندؔی

حرصِ دنیا میں بھلا برباد تیری جاں ہو کیوں
تجھ سے اِک بت کے لیے صیدِ حرم قرباں ہو کیوں
منتظر ہیں عالمِ بالا میں سب تیرے بزرگ
تو یہاں گرویدۂ گہوارۂ طفلاں ہو کیوں
تاجِ زرّینِ شہاں خود تک رہا ہے جس کی راہ
سیپ میں چپکا ہُوا وہ گوہرِ رَخشاں ہو کیوں
کیا ہیں اَسبابِ جہاں جن میں لگائے دل کوئی
رشتۂ زنّار ہی شیرازۂ قرآں ہو کیوں

درد وقتِ فتح مندی خود ہی بنتا ہے دوا
پھر یہ احسانِ طبیب و منّتِ درماں ہو کیوں
کون سی مشکل نہ حل کر دے گی آہِ نیم شب
دل کا عقدہ کھولنے میں اِس قدر حیراں ہو کیوں
ساحلِ بحرِ تمنّا ہاتھ ہی کب آئے گا؟
پھر یہ صائبؔ مائلِ دریائے بے پایاں ہو کیوں[181]

رُباعی: عمر خیّامؔ

روزے کہ زِ تو گزشتہ شد یاد مکن
فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
بر نامدہ و گزشتہ بنیاد منہ
حالے خوش باش عمر برباد مکن

منظوم ترجمہ: حضرتِ خجندؔی

جو دن کہ گزر گیا اُسے یاد نہ کر
جو کل کہ نہ آئی اُس کی فریاد نہ کر
مستقبل و ماضی پہ نہ رکھنا بنیاد
ہے حال مزے کا عمر برباد نہ کر[182]

رُباعی: عمر خیّامؔ

اے دل! زِ زمانہ رسمِ احساں مطلب
وز گردشِ دوراں سر و ساماں مطلب
درماں طلبی، دردِ تو افزوں گردد
با درد بساز و ہیچ درماں مطلب

منظوم ترجمہ: حضرتِ خجندؔی

اے دل! دنیا سے رسمِ احساں مت چاہ
اور گردشِ دہر سے بھی ساماں مت چاہ
درماں چاہا، تو اور بڑھ جائے گا درد
تو درد سے ہی نباہ، درماں مت چاہ[183]

---

181 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۱۲۔

182 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۱۱۔

183 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، ص ۱۵۔

ترجمہ کہلانے کا مستحق حضرت خجندؔی کا کلام ہے:

مدیرِ ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، دو شاعروں: آزاد انصاری اور سیّد علی منظور حیدر آبادی کے ترجموں کے ساتھ حضرت علامہ نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم ترجمے کا تقابل و موازنہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"'ایرانی شراب، ہندی کنٹروں میں'، اتنے بڑے عنوان کے ساتھ 'ادبی دنیا' نے اگست ۱۹۳۵ء میں، حسبِ ذیل تمہید لکھ کر شائع کی:

'حضرت آزاد انصاری نے مئی ۱۹۳۵ء کے 'ادبی دنیا' میں مندرجۂ بالا عنوان سے چند فارسی اشعار کے ترجمے شائع کرائے تھے اور دوسرے شعرا کو صلائے عام بھی دی تھی۔ سیّد منظور علی صاحب حیدر آبادی نے انھیں اشعار میں سے ایک قطعے کا دوبارہ ترجمہ کر کے ہمیں اِرسال کیا ہے، جو شائع کیا جاتا ہے۔ حضرت آزاد کا ترجمہ بھی موازنے کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔'

اس کو پڑھ کر اُسی زمانے میں علاّمہ خجندؔی نے بھی عرؔفی کے اُن شعروں کا ترجمہ کیا، لیکن کسی رسالے یا اخبار میں نہیں بھیجا۔ آج اتّفاقیہ ہماری نظر سے گزرا، تو ہم ہدیۂ ناظرینِ 'شاہ راہ' کرتے ہیں، اور موازنے کی خاطر ہر سہ (۳) تراجم سامنے رکھتے ہیں۔

اصل فارسی عرؔفی

فقیہانہ دفترے را می پرستند   حرم جویاں درے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد   کہ یاراں دیگرے را می پرستند

(۱) ترجمۂ اُردو: آزاد انصاری

یہ دیواروں، دروں کو پوجتا ہے   وہ اینٹوں، پتّھروں کو پوجتا ہے
مناسب ہو تو اب پردہ اُٹھا دے   کہ جو ہے دوسروں کو پوجتا ہے

(۲) ترجمۂ اُردو: علی منظور حیدر آبادی

نادان فقیہ اور کتابوں کی پرستش   جویائے حرم، شیفتہ دیوار کا در کا
اب پردہ اُٹھادے کہ ہر اک شخص سمجھ جائے   معبود کوئی اور ہی ہے اہلِ نظر کا

(۳) ترجمۂ اُردو: خجندؔی، مقیم بمبئی

یہ عالِم دفتروں کو پوجتے ہیں   یہ حاجی بھی دروں کو پوجتے ہیں
اُٹھا دے پردہ، تو ہو جائے روشن   یہ اپنے، دوسروں کو پوجتے ہیں

ہم سمجھتے ہیں کہ ترجمہ کہلانے کا مستحق حضرت خجندؔی کا کلام ہے، جو

(۱) تقریباً صحیح ترجمہ ہے۔

(۲) مَعْناً ہم ردیف و ہم قافیہ ہے۔

(۳) خوبی یہ ہے کہ اُسی زمین میں ہے۔"[184]

◇◇◇◇◇◇◇

[184] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرّم الحرام ۱۳۵۶ھ، ص ۱۱۔

چودھواں باب:

مولانا خجندی کا سالِ وصال—ایک تحقیق

محقّق و مؤرّخِ اہلِ سنّت حضرت علّامہ نسیم احمد صدّیقی نوری (رہ نما، جماعتِ اہلِ سنّت، کراچی) نے اپنی تالیف "ضیائے شعبان المعظّم" میں، ۶/ر شعبان المعظّم میں وفات پانے والے بزرگوں کی فہرست میں مولانا خجندی کا نام حسبِ ذیل الفاظ میں درج فرمایا ہے:

"حضرت مولانا نذیر احمد خجندی میرٹھی ۱۳۵۵ھ"[185]

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خجندی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۶/ر شعبان المعظّم ۱۳۵۵ھ میں ہوا۔ یہ سنِ وصال تو یقیناً غلط ہے، جس پر ہم آئندہ سطور میں کلام کریں گے؛ جہاں تک تاریخ اور مہینے کا تعلّق ہے، تو اکثر روایتوں کے مطابق، آپ کا انتقال شعبان المعظّم میں ہوا، لیکن ۶/ر تاریخ کا تعیّن ہمیں صرف علامہ نسیم احمد صاحب کی مذکورۂ بالا تالیف میں نظر آیا۔ ٹیلی فون پر ہمارے استفسار پر نسیم صاحب نے فرمایا کہ اس کا حوالہ فی الحال اُنھیں یاد نہیں۔ یقیناً آپ نے یہ تاریخ کسی نہ کسی معتبر کتاب، رسالے یا اخبار سے اخذ کی ہوگی، یا اِس حوالے سے کسی معتمد شخصیت سے پوچھ کر لکھی ہوگی۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم۔

آئندہ سطور میں، اس سالِ وصال (۱۳۵۵ھ) کے درست نہ ہونے پر بحث کی جائے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اپنے حبیبِ لبیب ﷺ کے

185 "ضیائے شعبان المعظّم"، صفحہ 18۔

صدقے میں حق لکھنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ آمین!

یہ روایت غلط مشہور ہے کہ مولانا خجندی کا وصال ۱۳۵۵ھ میں ہوا:

جس وقت مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، اُس دور کے کسی نہ کسی اخبار یا رسالے میں اُن کے انتقال کی خبر ضرور شایع ہوئی ہوگی، لیکن افسوس! اُس رسالے یا اخبار تک ہماری رسائی نہ ہو سکی؛ اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے مولانا خجندی کے سالِ وصال یا ماہِ انتقال کا درست طور پر تعیّن ہو سکا۔

ہمارے سامنے مولانا خجندی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اب تک جس قدر تحریری مواد سامنے آیا ہے، اس کے مطابق سب سے پہلے امداد صابری صاحب نے تحریر کیا ہے کہ آپ کا انتقال شعبان المعظّم ۱۳۵۵ھ میں ہوا۔ چنانچہ آپ "تذکرہ شعراءِ حجاز" میں فرماتے ہیں:

"انتقال سے تقریباً ڈیڑھ دوسال قبل آپ (مولانا خجندی) ہجرت کر کے مدینۂ منوّرہ چلے گئے تھے۔ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ مسجدِ نبوی میں نمازِ پنج وقتہ کے ساتھ اِشراق وغیرہ کی نمازیں پڑھتے تھے اور درود و سلام روضۂ انور پر پہنچاتے تھے۔ آپ کا شعبان ۱۳۵۵ھ کو مدینۂ منوّرہ میں انتقال ہوا، اور جنّت البقیع میں دفن ہوئے۔"[186]

امداد صابری صاحب نے "تذکرہ شعراءِ حجاز" بڑی محنت سے تالیف فرمائی ہے، اس کا مواد اکٹھا کرنے کے لیے انھوں نے بڑے پاپڑ بیلے ہیں، در در کی خاک چھانی ہے، اَن گنت دروازوں پر دستک دی ہے، بہت سی شخصیات سے ملے ہیں، اور خط و کتاب کے ذرائع بھی اپنائے ہیں۔ مولانا نذیر احمد خجندی پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ

186 "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص۳۸۹۔

زیادہ تر یا مکمّل طور پر حضرتِ خجندیؔ کے بھتیجے جناب پروفیسر مولانا حبیب الرحمٰن صدّیقی صاحب سے حاصل شدہ معلومات کا مجموعہ ہے، جس کا انھوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں ذکر بھی کیا ہے اور جسے ہم آئندہ سطور میں مولانا خلیل الرحمٰن صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے تحت نقل بھی کریں گے۔ چوں کہ اِس فقیر (ندیم) سمیت کسی کی کوئی کتاب، سوائے کلامِ الٰہی کے، غلطی سے محفوظ نہیں؛ لہٰذا، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مذکورۂ بالا سالِ وصال (۱۳۵۵ھ) یا تو جناب امداد صابری صاحب کے سہوِ قلم کا نتیجہ ہے اور یا پھر کاتب کی غلطی کا اثر۔ ہم آئندہ سطور میں اپنے دلائل میں خود امداد صابری صاحب کی تحریروں سے بھی یہ بات ثابت کریں گے کہ مولانا خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ۱۳۵۵ھ میں نہیں ہوئی۔

اور وہ جو علاّمہ شاہ محمود احمد قادری کان پوری صاحب نے اپنی کتاب "تذکرہ علمائے اہلِ سنّت" کے نصف (آدھے) صفحے پر مولانا نذیر احمد خجندیؔ کے حوالے سے جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ "تذکرہ شعراءِ حجاز" ہی کے مندرجات کا خلاصہ ہے، جس کا اُنھوں نے حوالہ بھی دیا ہے۔

چنانچہ علامہ محمود احمد قادری صاحب بھی مولانا خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلّق یوں رقم طراز ہیں:

"۱۳۵۵ھ میں شعبان المعظّم کی کسی تاریخ کو رہ گزارِ عالمِ باقی ہوئے اور جنّت البقیع میں دفن کیے گئے۔ (تذکرہ شعرائے حجاز اُردو)"[187]

اور پھر یہ ماہِ وصال اور سالِ انتقال (شعبان المعظّم ۱۳۵۵ھ) اِس قدر عام ہوئے کہ جس نے بھی آپ کی تاریخِ وصال لکھی، اُس نے یہی مذکورہ تاریخ لکھی، کسی

187 "تذکرہ علمائے اہلِ سنّت"، صفحہ ۲۵۰۔

نے "تذکرہ علمائے اہلِ سنّت" کے حوالے سے، اور کسی نے بِلا حوالہ۔

چنانچہ پروفیسر مولانا محمد آصف خان قادری علیمی لکھتے ہیں:

"مولانا نذیر احمد (خجندی) نے قیامِ پاکستان کے وقت حج پر جانے کی خواہش ظاہر کی تھی اور اپنے اہلِ خانہ کو اپنے ایک شاگرد مولانا سیّد جمیل احمد رضوی کرمانی کے ہم راہ پاکستان بھیج دیا۔ اس کے بعد مولانا نذیر احمد حج کے لیے روانہ ہوگئے، جہاں ماہِ شعبان ۱۳۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا اور مدینۂ منوّرہ میں اُمّ المومنین حضرت سیّدتنا عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں سپردِ خاک ہوئے۔"[188]

مولانا آصف خان علیمی صاحب نے مذکورۂ بالا واقعے کا اگرچہ کوئی حوالہ ذکر نہیں کیا؛ لیکن یقیناً اُنھوں نے یہ واقعہ کسی معتبر شخصیت سے سنا ہوگا، یا پھر کسی کتاب میں پڑھا ہوگا؛ لیکن افسوس! انھیں حوالہ یاد نہیں۔ اس سے ملتا جلتا واقعہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے بھی فقیر سے بیان فرمایا تھا، جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

مولانا آصف علیمی صاحب نے قیامِ پاکستان کے وقت مولانا خجندیؔ کی روانگی کا ذکر کیا ہے، یہ درست ہے کہ مولانا خجندیؔ قیامِ پاکستان کے بعد جلد ہی مدینۂ منوّرہ روانہ ہوگئے تھے؛ لیکن مولانا آصف صاحب کی توجّہ یقیناً اِس جانب نہیں گئی ہوگی کہ پاکستان ۱۹۴۷ء (۱۳۶۶ھ) میں قائم ہوا تھا، تو پھر حضرتِ خجندیؔ کا وصال ۱۳۵۵ھ میں کیسے ہو سکتا ہے!

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے اپنے والدِ ماجد مبلغِ اعظم حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے پچاسویں عرسِ مبارک کے موقع پر ایک مجلّہ "عظیم مبلغِ اسلام شاہ عبد العلیم صدّیقی" کے نام سے شایع کرنے کا شرف

188 ماہ نامہ معارفِ رضا کراچی، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۳۵۔

حاصل کیا، اس میں ڈاکٹر صاحبہ نے بھی "تذکرہ علمائے اہلِ سنّت" ہی کے حوالے سے اپنے تایا ابّا حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخِ وصال شعبان المعظّم ۱۳۵۵ھ ہی لکھی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحبہ نے اُن کے وصال کا جو واقعہ دو مختلف موقعوں پر مجھ فقیر سے بیان فرمایا، جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے، خود اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سالِ وصال غلط ہے۔

میں نے تقریباً ڈھائی سال قبل حضرت مولانا خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ اکبر مبلّغِ اسلام حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلّق، ایک مضمون قلم بند کیا تھا، جو اُس وقت ماہ نامہ "معارفِ رضا"، کراچی کے جون ۲۰۱۲ء / رجب المرجّب ۱۴۳۳ھ کے شمارے میں شایع ہوا تھا، اور پھر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء کو آصف علیمی صاحب نے اُستاذ العلما حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ کے حسبِ ارشاد اور مالی تعاون سے کتابی شکل میں شایع کیا؛ اُس میں، میں نے مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے، اُن کے وصال و تدفین کا بھی ذکر کیا تھا، لیکن چوں کہ سالِ وصال "۱۳۵۵ھ" کے خلاف اُس وقت میرے ذہن میں کچھ تحفّظات تھے، اس لیے میں نے، اُس مضمون میں، سالِ وصال لکھا ہی نہیں تھا، بلکہ اس بحث کو بعد کے لیے چھوڑ دیا تھا کہ جب حضرت مولانا خجندیؔ پر کوئی کتاب لکھوں گا، تو اس بحث کو چھیڑوں گا۔ ۱۰/ اپریل ۲۰۱۴ء بروز جمعرات، "قائدِ اعظم کی اِزدواجی زندگی" کے مصنّف جناب عقیل عبّاس جعفری صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو انھوں نے بھی اس سنِ وصال کا خود سے تذکرہ چھیڑ دیا اور اس پر اعتراض کیا۔ چوں کہ میرے ذہن میں یہ بات پہلے ہی سے موجود تھی؛ لہٰذا، میں نے فوراً اور بلا تردّد، اُن کے اعتراض کی تائید و تصدیق کر کے حق بات کی حمایت کی۔ اِسی طرح یہ اعتراض اُنھوں نے جناب احمد ترازی صاحب (ایڈیٹر ماہ نامہ "افق"، کراچی)

سے بھی کیا تھا۔ جب احمد ترازی صاحب کو معلوم ہوا کہ میں حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں، تو اُنھوں نے مجھ سے فرمایا کہ ندیم بھائی اِس مسئلے کو ضرور ہائی لائٹ کیجیے گا۔

سالِ وصال ۱۳۵۵ھ کے خلاف دلائلِ عشرہ:

اب ہم حسبِ ذیل چند دلائل نذرِ قارئین کر رہے ہیں، جن سے یہ بات أَظْهَرُ مِنَ الشَّمْس (سورج سے زیادہ روشن) ہو جائے گی کہ حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ کا وصال ۱۳۵۵ھ میں ہر گز نہیں ہوا:

دلیل نمبر 1۔ اسماعیلیہ کالج اندھیری (بمبئی) کے اساتذہ کی قائم کردہ ایک ادبی انجمن "مجمع الادب بمبئی" نے اتوار، ۷/ فروری ۱۹۳۷ء کو "یومِ ولیؔ" کے نام سے ہندوستان کے مشہور شاعر ولیؔ کی دو صد سالہ برسی منائی۔ اِس موقع پر ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا، جس میں حضرت علامہ خجندیؔ نے بھی اپنا کلام پیش کیا؛ جس کی بہ قدرِ ضرورت تفصیل ہم مولانا خجندیؔ کی شاعری کے باب کے تحت، ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ اور محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، کے حوالوں سے پیش کر چکے ہیں؛ اور تقویمِ ہجری و عیسوی اور آن لائن کلینڈر کے مطابق ۷/ فروری ۱۹۳۷ء کو ۲۵/ ذیقعد ۱۳۵۵ھ تھا، یعنی ذیقعد ۱۳۵۵ھ کا آخری ہفتہ۔ لہٰذا، یہ ناممکن ہے کہ حضرت مولانا خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال شعبان ۱۳۵۵ھ میں ہوا ہو۔

دلیل نمبر 2۔ پیشِ نظر کتاب میں، ہم نے ماہ نامہ "شاہ راہ"[189] کے حوالے سے ایک تصویر نذرِ قارئین کی ہے؛ جس کے متعلّق "شاہ راہ" کے صفحہ ۳۵/ پر، یہ

[189] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۲ (ٹائٹل)۔

وضاحت کی گئی ہے:

"خطیب العلما حضرت علامہ مولانا نذیر احمد صاحب خجندؔی سرپرست شاہ راہ اسپلینڈ میدان میں نمازِ عید الاضحیٰ ۱۳۵۵ھ کے بعد خطبہ بیان فرما رہے ہیں۔"[190]

نیز "شاہ راہ" بمبئی کے مذکورۂ بالا شمارے میں اِس نمازِ عید کی روداد بھی بیان کی گئی ہے، جس کے چیدہ چیدہ پہلو ہم ہدیۂ قارئین کر چکے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ۱۳۵۵ھ کے حج کے موقع ہی پر نہیں، محرم ۱۳۵۶ھ میں بھی حضرت مولانا خجندؔی ہندوستان ہی میں بہ قیدِ حیات تھے؛ بلکہ ہمارے پاس "شاہ راہ"، بمبئی ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ کا شمارہ بھی ہے؛ اُس شمارے کے مندرجات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُس شمارے کی اشاعت کے وقت بھی آپ کا انتقال نہیں ہوا تھا۔

دلیل نمبر 3۔ خود جناب امداد صابری صاحب کی اپنی مندرجۂ ذیل تحریر سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرتِ خجندؔی کا وصال ۱۳۵۵ھ میں نہیں ہوا تھا۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"مولانا خجندؔی نے اپنے بڑے بھائی جناب احمد مختار صدّیقی کے منظوم حالاتِ زندگی 'مخدومِ خجندؔی' کے نام سے تالیف کیے ہیں، جس میں اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے حالات اور اُن کی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔"[191]

نوٹ: مولانا خجندؔی نے یہ کتاب حضرت شاہ احمد مختار صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے وصالِ مبارک کے بعد تالیف فرمائی تھی؛ اور جناب امداد صابری صاحب ہی کے مطابق، حضرت احمد مختار رحمۃ اللہ علیہ کا وصال پیر کی رات، مغرب کے بعد ۱۲/ جمادی الاولیٰ

---

[190] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۳۵۔

[191] "تذکرۂ شعراءِ حجاز" ص ۳۸۴۔

۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰/ جولائی ۱۹۳۸ء کو دمن (پرتگیز) میں ہوا تھا[192]۔ اگر مولانا خجندؔی کا وصال ۱۳۵۵ھ میں ہو گیا ہوتا، تو پھر اپنے بھائی کی رحلت (۱۳۵۷ھ) کے بعد وہ کوئی کتاب کس طرح تحریر فرما سکتے تھے۔

دلیل نمبر 4۔ جناب خان بہادر بھیّا بشیر الدین تسخیرؔ[193] رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے موقع پر، حضرت مولانا خجندؔی نے فارسی زبان میں ایک قطعۂ تاریخی کہا تھا، جس کے چند اشعار جناب نور احمد میرٹھی صاحب مرحوم نے "حیاتِ بشیر" کے حوالے سے "تذکرۂ شعرائے میرٹھ" میں درج کیے تھے، اور وہاں سے وہ اشعار ہم گزشتہ صفحات (شاعری کے باب) میں نقل کر چکے ہیں۔ بشیر الدین تسخیرؔ صاحب کی رحلت، بدھ، ۱۴/ رجب المرجّب ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۹/ جولائی ۱۹۴۲ء کو عصر و مغرب کے درمیان ہوئی تھی۔[194] تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مولانا خجندؔی نے ۱۳۶۱ھ میں ایک تاریخی قطعہ کہا تھا، تو وہ ۱۳۵۵ھ میں دنیا سے کیسے کوچ کر سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 5۔ خواجہ رضی حیدر صاحب نے "رتّی جناح" میں حضرت مولانا خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اخباری بیان کا حوالہ دیا ہے، جو روزنامہ "ہمدرد"، دہلی میں ۱۸/ فروری ۱۹۴۶ء

---

[192] "تذکرہ شعراءِ حجاز"، صفحہ ۳۸۷۔

[193] بشیر الدین تسخیرؔ رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ مولانا عبد السمیع بیدلؔ چشتی صابری رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگردِ رشید تھے۔ آپ نے اپنے استاد حضرت مولانا عبد السمیع سے قرآن شریف ناظرہ ختم کرنے کے علاوہ، اردو، فارسی اور عربی میں استعداد حاصل کی اور صرف و نحو پر بھی انھی سے عبور حاصل کیا۔ ("تذکرہ شعرائے میرٹھ"، صفحہ ۳۴۷)

[194] "تذکرہ شعرائے میرٹھ"، صفحہ ۳۴۸ تا ۳۴۹۔

میں شایع ہوا،[195] اور فروری ۱۹۴۶ء کو سنِ ہجری "۱۳۶۵" تھا۔ تو جب مولانا خجندؔی ۱۳۶۵ھ میں اخبار میں بیان دے رہے تھے، تو ۱۳۵۵ھ میں وصال کیسے فرما سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 6۔ ۲۵/ دسمبر ۱۹۴۶ء کو قائدِ اعظم محمد علی جناح کی سترّویں سالگرہ کے موقع پر حضرت مولانا خجندؔی نے اُنھیں ایک فی البدیہہ منظوم خراجِ تحسین پیش کیا، جسے ہم "رتّی جناح" اور "قائدِ اعظم کا سفرِ لندن" کے دو حوالوں سے مولانا خجندؔی کی شاعری کے باب میں نقل کر چکے ہیں؛ اور ۲۵/ دسمبر ۱۹۴۶ء کو سنِ ہجری ۱۳۶۶ھ تھا۔

دلیل نمبر 7۔ جناب امداد صابری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ (مولانا محمد بشیر صدّیقی) نے اپنے بھائی مولانا خجندؔی صاحب کو مولانا احمد مختار صدّیقی کی وفات کے بعد ۹/ شوّال ؁۱۳ھ مطابق ۱۹۴۶ء[196] کو حسبِ ذیل خط لکھا تھا، جس کو مولانا خجندؔی صاحب نے اپنی تالیف 'مخدومِ خجندؔی' میں شائع کیا۔ اس خط میں مولانا احمد مختار صدّیقی صاحب کی اُن خدمات کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے جنوبی افریقہ وغیرہ میں انجام دی تھیں۔"[197]

معلوم ہوا کہ حضرتِ خجندؔی کے نام اُن کے بھائی نے شوّال المکرم ۱۹۴۶ء کو ایک مکتوبِ گرامی لکھا تھا اور شوّال ۱۹۴۶ء کو سنِ ہجری ۱۳۶۵ھ تھا۔ تو ۱۳۵۵ھ میں آپ کی رحلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نوٹ: ہم نے "مخدومِ خجندؔی" کے اعداد

---

195 "رتّی جناح"، صفحہ ۷۰۔

196 "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر" میں تاریخ اسی طرح: "۹/ شوّال ؁۱۳ھ مطابق ۱۹۴۶ء" لکھی ہے۔

197 "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر"، ص ۲۳۵ تا ۲۳۶۔

شمار کیے، تو "۱۳۵۷ھ" مجموعہ حاصل ہوا، جو حضرت علامہ احمد مختار رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا تاریخی مادّہ بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مخدومِ خجندؔی" کتاب کا تاریخی نام ہے۔ رہا یہ امر کہ مولانا بشیر صاحب نے ۱۹۴۶ء میں مولانا خجندؔی کو مذکورۂ بالا مکتوب تحریر فرمایا تھا، جسے حضرتِ خجندؔی نے، بقول امداد صابری صاحب، اپنی تالیف "مخدومِ خجندؔی" میں شامل کیا، تو ہو سکتا ہے کہ مولانا خجندؔی نے یہ کتاب ۱۳۵۷ھ ہی میں تالیف فرمائی ہو، لیکن شایع ۱۹۴۶ء میں یا ۱۹۴۶ء کے بعد ہوئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اگر یہ کتاب سامنے ہوتی تو صحیح طور پر بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا؛ مگر کیا کیجیے! افسوس!! صد افسوس!!! کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ کتاب کہاں ہے، ہماری اس تک رسائی نہ ہو سکی۔

دلیل نمبر 8۔ جناب امداد صابری صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں محترمہ سیّدہ انصاری صاحبہ جنوبی افریقہ سے ہندوستان آئیں، تو اپنے چچا مولانا نذیر احمد خجندؔی صاحب سے اپنے اَشعار کی اِصلاح لی۔ جنوبی افریقہ واپس پہنچنے کے بعد اُن سے خط و کتابت کے ذریعے اصلاح لیتی رہیں۔[198]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی ۱۹۴۷ء (مطابق ۱۳۶۶ھ) میں ہندوستان ہی میں بہ قیدِ حیات تھے۔

دلیل نمبر 9۔ **مولانا خجندؔی کی رحلت و تدفین قیامِ پاکستان کے بعد، مدینۂ منوّرہ میں ہوئیں۔**

ڈاکٹر فریدہ صاحبہ نے ۵/ دسمبر ۲۰۱۱ء کو فون پر گفتگو کے دوران مجھ سے حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کے مدینۂ منوّرہ روانہ ہونے اور وہاں وصال سے متعلّق اپنے

---

198 "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر"، صفحہ ۲۱۰۔

ایک رشتے کے بھائی کے حوالے سے حسبِ ذیل ایک روایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”پاکستان بننے سے پہلے جو حج کا مہینہ آیا تھا اُس حج پر آپ اپنی اہلیۂ محترمہ کے ہم راہ تشریف لے گئے تھے۔ واقعہ یہ تھا، جو ہمارے رشتے کے بھائی جمیل احمد صاحب (صدر، چیمبر آف کامرس، بمبئی) نے سنایا تھا کہ قائدِ اعظم بمبئی میں تھے (اور مولانا نذیر احمد خجندی بمبئی میں رہائش پزیر تھے)؛ حج کے لیے بحری جہاز (Ship) جانے والا تھا، دو افراد کی جگہ خالی تھی، قائدِ اعظم کے سامنے اِس بات کا ذکر ہُوا، تو قائدِ اعظم نے مولانا نذیر احمد خجندی اور اُن کی اہلیہ کو اس میں روانہ کروادیا۔ آپ نے حج ادا کیا، اسی ذو الحجہ میں آپ کا وصال ہو گیا اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں مدفون ہوئے۔“

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا خجندؔی قیامِ پاکستان سے پہلے حج کے مہینے میں یعنی ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ / مطابق نومبر ۱۹۴۶ء میں مدینے شریف میں وصال فرما گئے تھے اور وہاں کچھ ہی دن قیام رہا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مولانا خجندؔی کا وصال ۱۳۵۵ھ میں نہیں ہوا تھا؛ واضح رہے کہ یہ روایت خود درست معلوم نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ ہماری بیان کردہ دلیل نمبر ۵/ اور ۷/ کے مطابق حضرت مولانا خجندؔی ۲۵/ دسمبر ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں (اگرچہ ۱۹۴۷ء کے آخر تک نہیں) ہندوستان ہی میں موجود تھے۔ جمیل احمد رضوی صاحب ہی کے حوالے سے اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ آصف علیمی صاحب نے بھی روایت کیا ہے، جسے ہم چند سطور پہلے نقل کر آئے ہیں، لیکن اس میں حج کے مہینے میں وصال کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال، مولانا خجندؔی کے مدینۂ منوّرہ میں قیام و رحلت کے حوالے سے، ڈاکٹر فریدہ صاحبہ کی مذکورۂ بالا روایت، جو انھوں نے جمیل احمد صاحب کے حوالے سے بیان فرمائی ہے، درست معلوم نہیں ہوتی؛ بلکہ اُس کے مقابلے میں ڈاکٹر صاحبہ ہی کی بیان کردہ حسبِ ذیل روایت جو انھوں

نے بلا کسی واسطے کے بیان فرمائی ہے، زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے:

چنانچہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے، ۴/ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، راقم السطور (ندیم احمد ندیم نورانی) کو بتایا:

”میرے تایا مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ، مدینۂ منوّرہ ۱۹۴۷ء میں حج کے سیزن میں گئے تھے اور آپ کی روانگی کا خصوصی انتظام بہ ذریعہ بحری جہاز (Ship) خود قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کروایا تھا؛ پھر تقریباً ڈیڑھ سال قیام کے بعد مدینۂ منوّرہ ہی میں آپ کا وصال ہوا، اور جنّت البقیع میں آپ کی تدفین ہوئی۔“

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرتِ خجندؔی کا وصال ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں ہوا۔ کیوں کہ پاکستان ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آیا تھا اور ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء کے رمضان المبارک کے بعد حج سیزن (غالباً شوّال یا ذی قعد) میں مولانا خجندؔی حج کے لیے تشریف لے گئے تھے اور تقریباً ڈیڑھ سال بعد آپ کا وصال ہوا۔

دلیل نمبر 10۔ مذکورۂ بالا روایت کی تائید، ڈاکٹر فریدہ صاحبہ کے برادرِ اکبر قائدِ ملّتِ اسلامیہ قائدِ اہلِ سنّت حضرت علامہ اِمام شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بیان کردہ حسبِ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت قائدِ ملّتِ اسلامیہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

”تقسیمِ ہند کے بعد وہ (تایا ابّا مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ) بمبئی سے سیدھے مدینۂ منوّرہ چلے گئے تھے، کیوں کہ بہر حال مسلم لیگ کی حمایت تو کرتے تھے نا؛ لہٰذا، ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ بمبئی میں فسادات شروع ہو گئے تھے، تو اُنھوں نے کہا کہ میں اصل پاکستان جاتا ہوں؛ مدینے شریف چلے گئے۔ تقریباً دو سال وہاں قیام رہا؛

وہیں انتقال ہُوا؛ جنّت البقیع میں مدفون ہیں۔"[199]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ مولانا خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ تقسیمِ ہند یا دوسرے لفظوں میں قیامِ پاکستان (۱۳۶۶ھ /۱۹۴۷ء) کے بعد مدینۂ منوّرہ حاضر ہوئے اور وہاں تقریباً دو سال اور ڈاکٹر فریدہ صاحبہ کے بقول تقریباً ڈیڑھ سال بعد، اور امداد صابری صاحب کے مطابق تقریباً ڈیڑھ دو سال رہنے کے بعد وصال فرمایا، جیسا کہ گزشتہ سطور میں "تذکرۂ شعراءِ حجاز اردو" کے حوالے سے نقل کیا جاچکا ہے۔

اِس بحث کے آخر میں ہم مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے حوالے سے جناب ضیاء الدین احمد برنی صاحب کی تحریر کردہ حسبِ ذیل روایت بھی نقل کرتے چلیں، جس سے بہ ظاہر یہ اِشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرتِ خجندؔی مدینۂ منوّرہ میں چند روز قیام کے بعد ماہِ ذی الحجہ ہی میں وصال فرماگئے۔

چنانچہ برنی صاحب رقم طراز ہیں:

"ایک رات وہ (مولانا خجندؔی) مسجد سے گھر جا رہے تھے کہ موٹر کی جھپیٹ میں آگئے اور بُری طرح زخمی ہوئے۔ سب کا خیال تھا کہ وہ جاں بر نہ ہو سکیں گے، لیکن خدا نے فضل کیا اور وہ بچ گئے۔ اس کے بعد یکایک اُن کے دل میں حجِ بیت اللہ کا شوق پیدا ہوا اور وہ عازمِ حجاز ہو گئے۔ حج کے بعد وہ بیمار پڑے اور مدینۂ منوّرہ میں انتقال کر گئے۔ زندگی میں وہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اُنھیں سرزمینِ حجاز میں موت نصیب ہو۔ بالآخر خدا نے اُن کی دعا قبول فرمالی۔"[200]

لیکن اگر غور کیا جائے تو اِس روایت کی، دیگر روایات کے ساتھ بہ آسانی

[199] مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ۲۱؍اکتوبر ۱۹۹۶ء، ویڈیو کیسٹ۔

[200] "عظمتِ رفتہ"، صفحہ ۳۱۷۔

تطبیق کی جا سکتی ہے، اور وہ اِس طرح کہ مذکورہ روایت میں یہ تو ذکر ہے کہ حضرت خجندؔی حج کے بعد علیل ہو گئے؛ لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کے آپ نے کتنا عرصہ علالت میں گزارا۔ یہ عرصۂ علالت تقریباً ڈیڑھ، پونے دو سال کا بھی ہو سکتا ہے، تو اِس صورت میں اوپر بیان کردہ اکثر روایتوں سے اِس کی تطبیق و مطابقت ہو سکتی ہے۔ وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَم۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

حاصلِ کلام (مولانا خجندؔی کی درست تاریخِ وصال؟):

اِس سب کا حاصل یہ ہوا کہ مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء کے حج سیزن میں غالباً شوّال یا ذیقعد کے مہینے میں مدینۂ منوّرہ روانہ ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ سے دو سال کے عرصے میں آپ کا وصال ہو گیا۔ واضح رہے کہ مذکورۂ بالا روایتوں میں تقریباً کا لفظ ہے، کہیں دو سال کے ساتھ اور کہیں ڈیڑھ سال کے ساتھ؛ جس میں بہ آسانی تطبیق کی جا سکتی ہے، اور وہ یہ کہ آپ شوّال یا ذیقعد ۱۳۶۶ھ /۱۹۴۷ء کو مدینۂ منوّرہ روانہ ہوئے ہوں گے، جہاں تقریباً پونے دو سال فیض یاب ہونے کے بعد شعبان المعظّم ۱۳۶۸ھ /۱۹۴۹ء کو اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اور قیامت تک کے لیے جنّت البقیع شریف (مدینۂ منوّرہ) میں آرام فرما ہو گئے۔

یاد رہے کہ حضرت علّامہ نسیم احمد صدّیقی نوری صاحب کی تحریر کے مطابق حضرت مولانا خجندؔی کا وصال ۶؍ شعبان المعظّم کو ہوا۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت مولانا خجندؔی حج پر گئے اور حج کے بعد چند ہی روز میں رحلت فرما گئے، تو اس لحاظ سے آپ کی تاریخِ وصال ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء ہو گی؛ لیکن زیادہ درست وہی تاریخ معلوم

ہوتی ہے جو اوپر بیان ہوئی یعنی ۶؍ شعبان المعظّم ۱۳۶۸ھ۔[201] وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب (اور صحیح بات اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اُس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہی زیادہ جانتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس تحقیق کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس میں اگر کہیں کوئی لغزش یا خطا واقع ہوگئی ہو تو اُسے معاف کرتے ہوئے ہمیں حق تک رسائی کے اسباب عطا فرمائے اور اتباعِ حق کی توفیقِ رفیق بخشے۔ آمین!

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

201 "تقویمِ تاریخی" (ہجری و عیسوی) (صفحہ ۳۴۲) اور آن لائن کیلنڈر کے مطابق ۶؍ شعبان المعظّم ۱۳۶۸ھ کو جمعۃ المبارک ۳؍ جون ۱۹۴۹ء تھا، جس میں تقریباً ایک دو دن کے فرق کا امکان ہوتا ہے۔

پندرھواں باب:

مولانا خجندیؔ کی قبر پر قطبِ مدینہ وغیرہ کی حاضری

قطبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین و مولانا قاری مصلح الدین کی مولانا خجندیؔ اور اُن کے بھائی شاہ عبد العلیم کی قبروں پر حاضری:

حضرت علّامہ قاری محمد مصلح الدین قادری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے پہلا حجِ مبارک ۱۹۵۴ء میں کیا اور اُس وقت آپ کی ملاقات حضرت قطبِ مدینہ سیّدی مولانا ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ (خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ و دادا سسر محترم قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت امام شاہ احمد نورانی صدّیقی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ) سے ہوئی تھی۔

اسی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے، پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین نوری صاحب (رئیس کلّیۂ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی) تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت قاری (علّامہ محمد مصلح الدین) فرماتے تھے کہ جس دن میں مدینۂ منوّرہ پہنچا تھا، اُسی روز اُن (مبلّغِ اعظم حضرت علّامہ محمد شاہ عبد العلیم صدّیقی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ) کا سوئم تھا۔ میں نے اور حاجی عبد الحمید کے والد نے حضرت قطبِ مدینہ سے درخواست کی کہ مولانا محمد عبد العلیم الصدّیقی کی قبر پر حاضری دی جائے، تو اُنھوں نے درخواست قبول کی اور ہم دونوں ہی اُن کی معیّت میں گھر سے نکلے؛ سب سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ حضرت قطب مدینہ اُس وقت ایک چادر اوڑھے ہوئے خوب صورت، حسین و جمیل لگ رہے تھے۔ آپ پر فرحانی و شادانی کی کیفیت طاری تھی۔ پھر اس کے بعد مولانا محمد عبد العلیم الصدّیقی اور اُن کے بھائی مولانا محمد نذیر خجندی[202] القادری المدنی کی قبر پر حاضری دی گئی۔ حضرت مولانا محمد عبد العلیم کی یہی

202 درست نام نذیر احمد خجندیؔ ہے۔ (ندیم)

تمنّا تھی کہ اُنھیں جنّت البقیع میں جگہ ملے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ تمنّا پوری کر دی۔"[203]

قائدِ اہلِ سنّت و جمیلِ ملّت صاحبان کی
مولانا خجندیؔ اور شاہ عبد العلیم صدّیقی کی قبروں پر حاضری:

جمیلِ ملّت حضرت علّامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی دَامَتْ بَرَكَاتُهُمُ الْعَالِيَة نے اتوار، ۳۰/ شعبان المعظّم ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۹/ جون ۲۰۱۴ء کی ملاقات کے دوران، دار العلوم نعیمیہ کراچی کی ایک نشست میں اِس فقیر (ندیم نورانی) کو بتایا کہ:

"میں ۱۹۶۳ء (۱۳۸۲ھ) میں جب حج کے لیے گیا تھا، تو حج کے بعد مدینۂ منوّرہ میں حضرت قائدِ اہلِ سنّت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم راہ جنّت البقیع حاضر ہوا، وہاں حضرت قائدِ اہلِ سنّت کے والدِ ماجد اور تایا ابّا کی قبروں کی بھی زیارت کی۔ حضرت قائدِ اہلِ سنّت نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا: 'یہ میرے والدِ ماجد حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی کی قبر ہے اور یہ میرے تایا ابّا حضرت مولانا نذیر احمد خجندیؔ کی قبر ہے۔'"

دونوں بھائیوں کی قبروں کے درمیان فاصلہ:

مذکورۂ بالا ارشادِ مبارک سن کر، اِس فقیر نے حضرت جمیلِ ملّت سے استفسار کیا کہ ان دونوں بزرگوں کی قبروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ٹھیک سے یاد نہیں، یہ کوئی پانچ، سات گز کا فاصلہ ہو گا۔"

نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ اِن دونوں بھائیوں کی قبریں الگ الگ چند گز کے فاصلے پر واقع ہیں؛ لہٰذا، محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین نوری صاحب کا ہم سے ٹیلی فون پر یہ کہنا کہ "یہ دونوں بزرگ ایک ہی قبر میں مدفون ہیں" یقیناً غلط فہمی پر مبنی ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇

[203] ماہ نامہ "مصلح الدین"، کراچی، مصلح الدین نمبر، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ / جولائی ۲۰۰۷ء، ص ۳۶ تا ۳۷۔

سولھواں باب:
مولانا خجندیؔ کے بہن بھائی

حضرت علامہ نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی سات بہنیں اور چھے بھائی تھے۔[204]

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ اور اُن کے شوہر جناب پروفیسر محمد احمد صدّیقی صاحب نے، ۴/ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، راقم الحروف کو بتایا کہ حضرت مولانا احمد مختار صدّیقی میرٹھی (مولانا خجندیؔ کے برادرِ اکبر) رحمۃ اللہ علیہ کی ایک منجھلی بہن محترمہ بسم اللہ خاتون صاحبہ سابق صدرِ پاکستان جنرل پرویز مشرّف کی نانی تھیں۔

مولانا امداد صابری صاحب نے آپ سات بھائیوں کے نام اس طرح لکھے ہیں:

"محمد صدّیق، خلیل الرحمٰن، حمید الدین، احمد مختار، محمد بشیر، نذیر احمد اور عبد العلیم۔"[205]

اور حضرت علامہ نذیر احمد خجندیؔ کی بھتیجی محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا بنتِ حضرت مبلّغِ اعظم علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ساتوں بھائیوں کے نام یوں رقم فرمائے ہیں:

"مولانا مختار احمد (ڈاکٹر فریدہ صاحبہ نے "احمد مختار" بھی لکھا ہے، اور درست

[204] مجلّہ عظیم مبلّغِ اسلام، ص ۵۵۔

[205] "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص ۳۸۴ تا ۳۸۵۔

نام "احمد مختار" ہی ہے) صدّیقی میرٹھی، مولانا نذیر احمد صدّیقی میرٹھی، مولانا بشیر احمد صدّیقی میرٹھی، مولانا صدّیق احمد صدّیقی میرٹھی، جناب خلیل احمد صدّیقی میرٹھی، جناب حمید احمد صدّیقی میرٹھی، مولانا محمد عبد العلیم صدّیقی میرٹھی۔"[206]

۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ سے ہم نے ناموں کے اس اختلاف کا ذکر کیا، تو آپ نے رہ نمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ احمد مختار، محمد بشیر، محمد صدّیق، خلیل الرحمٰن اور حمید الدّین نام ہی درست ہیں؛ مجلّہ "عظیم مبلّغِ اسلام" میں نہ جانے کس طرح ان ناموں میں یہ اَغلاط شایع ہو گئیں۔

ذیل میں، حضرت مولانا خجندؔی کے بھائیوں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) سے متعلّق مختصر معلومات یہاں درج کی جارہی ہیں:

1۔ حضرت اِمام الدین شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت بروز پیر، ۷؍ محرّم الحرام ۱۲۹۴ھ[207] کو ہوئی (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۵)۔ حضرتِ احمد مختار رحمۃ اللہ علیہ کے متعلّق ہم نے الگ سے ایک کتاب

---

[206] مجلّہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، ص ۵۵ تا ۵۶۔

[207] آن لائن کلینڈر کے مطابق ۷؍ محرم الحرام ۱۲۹۴ھ کو عیسوی تاریخ ۲۲؍ جنوری ۱۸۷۷ء تھی اور دن پیر کا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شرفِ ملّت حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرہ اکابرِ اہلِ سنّت" (ص ۲۲۶) میں مولانا خواجہ عبدالرسول قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی تاریخ "۲۱؍ محرم الحرام، ۵؍ فروری (۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء)" رقم کی ہے، جس سے چودہ روز قبل کی تاریخِ ہجری "۷؍ محرم الحرام، ۱۲۹۴ھ" اور عیسوی تاریخ "۲۲؍ جنوری ۱۸۷۷ء" حاصل ہوتی ہے۔ اس سے پتا چلا کہ سنِ عیسوی کے اعتبار سے حضرت شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی رضی اللہ عنہ کی تاریخِ ولادت: "پیر، ۲۲؍ جنوری ۱۸۷۷ء" ہے۔ (ندیم)

"خلیفۂ اِمام احمد رضا۔ مبلّغِ اسلام شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی" مُلقّب بہ لقبِ تاریخِ عیسوی "گُلِ چمنِ عبد الحکیم ۔۔ اِمام الدین احمد مختار صدّیقی (۲۰۱۳ء)" لکھی ہے؛ جسے مکتبۂ علیمیہ، کراچی نے اُستاذ العلما جمیلِ ملّت حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی صاحب دَامَتْ بَرَکَاتُهُمُ الْعَالِيَة (اُستاذ الحدیث و ناظمِ تعلیمات، دار العلوم نعیمیہ، کراچی) کے حسبِ اِرشاد اور مالی تعاون سے شایع کیا تھا۔ یہاں ہم چند باتوں کے اِعادے کے ساتھ کچھ نئی معلومات بھی درج کررہے ہیں۔

حضرت شاہ احمد مختار کی خدمات اُن کے بھائی کے قلم سے:

مولانا محمد بشیر صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا نذیر احمد خجندؔی کو اپنے برادرِ اکبر حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی کی وفات کے بعد ایک خط لکھا تھا، جس کا ذکر کرتے ہوئے جناب اِمداد صابری صاحب فرماتے ہیں:

"آپ (مولانا محمد بشیر صدّیقی) نے اپنے بھائی مولانا خجندؔی صاحب کو مولانا احمد مختار صدّیقی کی وفات کے بعد ۹؍ شوّال ۱۳ سنہ ھ[208] مطابق ۱۹۴۶ء کو حسبِ ذیل خط لکھا تھا، جس کو مولانا خجندؔی صاحب نے اپنی تالیف 'مخدومِ خجندؔی' میں شائع کیا۔ اس خط میں مولانا احمد مختار صدّیقی صاحب کی اُن خدمات کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے جنوبی افریقہ وغیرہ میں انجام دی تھیں۔"[209]

اب ہم "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر" سے مذکورۂ بالا مکتوبِ گرامی نقل کر کے نذرِ قارئین کرتے ہیں، جو امداد صابری صاحب نے حضرت مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "مخدومِ خجندؔی" سے نقل فرمایا تھا:

---

[208] ۱۳۶۵ھ۔ (ندیم)

[209] "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر"، ص ۲۳۵ تا ۲۳۶۔

مولانا محمد بشیر صدّیقی کا ایک مکتوبِ گرامی اپنے بھائی مولانا نذیر احمد خجندؔی کے نام:

"۱۹۰۶ء میں جب چہ چپئی لارنسومارکس (پرتگیز) میں حاجی صاحب قبلہ[210] رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اس وقت مسلم کانفرنس قائم کی، جس میں گورنر بھی آیا تھا۔ اسی زمانے میں ایک تقریر فرمائی اور دورانِ تقریر میں شراب فروشی[211] اور مَے نوشی کی برائیاں بیان کرتے ہوئے حکمِ شریعت سنایا تو بارش کے پانی کی طرح راستوں میں شراب بہتی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ مسلمان تاجر عام طور پر شراب فروشی کے خوگر تھے۔ ایک سو سے زائد شراب بیچنے والوں نے مولانا کے دستِ مبارک پر توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ شراب فروشی اور مَے نوشی سے محفوظ رہیں گے۔

۸-۱۹۰۷ء میں جب کہ حکومت ساؤتھ افریقہ نے ٹرانسول والوں کے لیے (انڈین) حکم دیا کہ ان کے پرمٹوں پر انگوٹھوں کا نشان لیا جائے، بلکہ بیسیوں اُنگلیوں کے نشان لیے جائیں، انڈین کے بچے جو انڈیا میں پیدا ہوئے ہیں وہ آٹھ سال کی عمر کے اندر یہاں آسکتے ہیں۔ مولانا نے اس کی مخالفت فرمائی اور حکومت نے اس کو قبول کیا، لیکن گاندھی نے قبول نہیں کیا، جو اس زمانے میں انھیں حالات کی مخالفت کرتا ہوا ستیہ گرہ کر کے جیل میں موجود تھا۔ اس نے اپنی کم زوری کے ماتحت سب انگلیوں کا نشان دیا اور حکومت کے فرمان کو قبول کیا اور جیل سے چھوٹ گیا؛ پھر بھی حضرت مولانا کی

---

210 حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ۔ (ندیم)

211 "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر" میں اِس جگہ "فروشی" کی بجائے "نوشی" مرقوم تھا؛ لیکن آنے والی عبارت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اصل مکتوب میں یہاں لفظِ "فروشی" ہو گا۔ (ندیم)

تحریک سے یہ معاملہ پریوی کونسل لندن سے طے ہوا اور ۱۶/ برس کی عمر والے ہندوستانی بچوں کو آنے کی اجازت ملی اور بے پڑھے لوگوں کو صرف انگوٹھے کا نشان دینے کے لیے حکم ہوا۔

اسی زمانے میں حمیدیہ سوسائٹی جوہانسبرگ ٹرانسول میں قائم کی۔ ۱۹۰۹ء کو کیپ ٹاؤن میں تعزیہ بنانے والوں، جلوس نکالنے والوں اور پٹھانوں کے درمیان فساد ہوا؛ تعزیے والوں کا ایک شخص مارا گیا؛ حضرت مولانا کی کوششوں سے پٹھان رہا کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے کیپ ٹاؤن میں جلوس نکالنے کی ممانعت ہوئی۔

۱۹۱۰ء میں ڈربن تشریف لائے اور 'الاسلام' گجراتی زبان میں جاری کیا، جس میں گاندھی کے خلاف مضامین لکھ کر مسلمانوں کو گاندھی کی چال بازیوں سے آگاہ کیا۔ اتفاقاً ایک سال بعد یہ اخبار بند فرما کر آپ اپنے وطن شہر میرٹھ تشریف لے گئے۔

۱۹۱۰ء میں مدرسۂ انجمنِ اسلام ڈربن سے جاری کیا، جس میں تعلیمِ قرآن کے ساتھ ساتھ اُردو، گجراتی اور اِنگریزی کا سلسلہ بھی تھا، جو آج تک ایک شان دار عمارت میں جاری ہے۔ ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۸ء تک زمانۂ قیامِ ڈربن میں حضرت مولانا نے کثیر التعداد غیر مسلموں کو داخلِ اسلام فرمایا، جس میں زیادہ تعداد یورپین حضرات کی تھی۔۔۔ دو مرتبہ وعظ میں قرآن شریف کی پوری تفسیر بیان فرمائی۔ مرضِ دمہ کی وجہ سے ہمیشہ علیل رہے؛ تاہم، وعظ بیان کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ بسا اوقات دو دو آدمی پکڑ کر ممبر پر بٹھاتے تھے۔ تھک جانے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ سننا چاہو تو میری دوا کرو یعنی بلند آواز سے درود شریف پڑھو؛ حاضرین، جن کی تعداد سینکڑوں ہوتی تھی، تین تین بار بلند آواز سے درود شریف پڑھتے، پھر آپ سلسلۂ کلام جاری فرماتے۔ مولانا نوجوانوں کی طرح بلند آہنگی سے

بیان فرمایا کرتے تھے؛ اطبّا آپ کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ جایا کرتے تھے، جو حقیقتاً آپ کی قوت یا طاقت نہیں تھی؛ بلکہ قدرت کی طرف سے آپ کی کرامت تھی۔ آج کل جوان و تن درست علما بھی ذرا سے زکام و بخار کے سبب بیان کرنے کے بعد تکان کے بہانے دو دو وقت کی نماز چٹ کر جاتے ہیں۔ آپ کے صحبت یافتہ آج نہایت خوبی کے ساتھ تبلیغِ اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ نوجوان جن سے والدین دست بردار ہو چکے تھے بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی مولانا کی تربیت سے والدین کے مطیع و فرماں بردار اور خادمِ اسلام ہیں، اور والدین اور قوم اُن پر فخر کرتی ہے۔

۱۹۳۲ء سے بصارت جواب دے چکی تھی؛ لیکن، مولانا تعویذ اور خطوط ہمیشہ اپنے ہی دستِ مبارک سے تحریر فرمایا کرتے تھے۔ تحریر کا روزانہ اوسط دس بارہ صفحہ سے کم نہ تھا؛ دیکھنے والے حیران تھے۔ آج بھی اُن کی وہ تحریریں موجود و محفوظ ہیں۔

۱۹۳۴ء میں مدرسۂ بَناتِ المسلمین ڈربن ناٹال آپ کی نگرانی میں نہایت شان و شوکت سے جاری کیا گیا۔ اس مدرسے کا سیّد رضا علی صاحب نے اپنے قیام کے دوران معائنہ فرمایا، بچیوں کا امتحان لیا، تو معلوم ہوا کہ وہ چھوٹی چھوٹی بچیاں اس سے بخوبی واقف ہیں کہ پہلے زمانے میں مسلمان خواتین کس ناموَری اور شان و شوکت سے اپنی زندگی بسر کرتی تھیں اور کیسی عظمت والی تھیں۔ نیو ٹاؤن میں 'حمیدیہ مسجد' کے نام سے ایک عظیم الشان مسجد بھی مولانا نے مسلمانوں کو توجّہ دلا کر تعمیر کرائی۔"[212]

[212] "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر"، ص ۲۳۶ تا ۲۳۸۔

ڈربن میں سب سے پہلا اور دوسرا مُشاعرہ باہتمامِ حضرت شاہ احمد مختار صدّیقی وغیرہ:

جناب امداد صابری صاحب ڈربن، جنوبی افریقہ میں اردو زبان اور اس کی شعر و شاعری کی ابتدا و ارتقا کی تاریخ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"جنوبی افریقہ میں بقولِ محمد احمد صاحب مہتر فاروقی جناب مولانا تجمل حسین صاحب تجمّلؔ حسین جلال پوری نے اردو زبان اور اس کی شعر و شاعری کی طرف توجّہ دلائی۔ جس زمانۂ ۱۹۱۷ء میں وہ مدرسۂ انجمنِ اسلامیہ پاٹن سٹریٹ ڈربن میں صدر مدرّس تھے، اُس وقت انھوں نے اردو کو مقبولِ عام بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے جنوبی افریقہ میں آنے سے پہلے شعر و شاعری کا ذوق ڈربن میں قطعاً نہیں تھا۔

ایک اور بزرگ سیّد عمر قادری صاحب بھی ہیں، اُنھوں نے بھی کیپ اور ڈربن میں اردو زبان کی خدمت کی۔ وہ خود بھی شاعر تھے اور لوگوں میں شعر و شاعری کا شوق پیدا کیا؛ جس کی وجہ سے ۱۹۳۵ء میں ڈربن میں سب سے پہلا مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس مشاعرے کا اہتمام جناب مولانا احمد مختار صدّیقی، مسٹر احمد اسماعیل اور منشی علی میاں چشتی نے کیا۔ اس مشاعرے کی صدارت کے فرائض سر رضا علی صاحب نے انجام دیے، جو اُس وقت حکومتِ ہند کی طرف سے جنوبی افریقہ میں ایجنٹ جنرل تھے۔ اس مشاعرے میں حسبِ ذیل شعرا نے اپنا کلام سنایا:

(۱) جناب ابراہیم احمد صاحب جیوا تاجرؔ (۲) جناب قادر میاں صاحب امامؔ (۳) جناب قاسم سامرودی صاحب نباؔ (۴) جناب یوسف اسحاق صاحب یوسفؔ (۵) جناب اسماعیل صاحب بے چینؔ (۶) جناب موسیٰ اسماعیل صاحب میرؔ (۷) جناب آدم حسین چینا صاحب آدمؔ (۸) جناب مولانا محمد بشیر صدّیقیؔ صاحب (۹) جناب احمد مختار احمد صدّیقی

صاحب (۱۰) جناب علی میاں صاحب چشتی (۱۱) جناب محمد احمد صاحب مہتر فاروقی۔

دوسرا مشاعرہ ۱۹۳۶ء میں گرے اسٹریٹ جامع مسجد ڈربن کے مدرسے کے ہال میں ہوا تھا۔ اس کا اہتمام بھی مولانا احمد مختار صدّیقی اور منشی علی میاں چشتی صاحب نے فرمایا تھا۔"[213]

ڈربن، جنوبی افریقہ میں تبلیغی و تعلیمی خدمات:

امداد صابری صاحب، حضرت شاہ احمد مختار رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی و تعلیمی خدمات پر، یوں روشنی ڈالتے فرماتے ہیں:

"مولانا احمد مختار صدّیقی اور مولانا عبد العلیم صدّیقی نے بھی جنوبی افریقہ میں تبلیغی اور تعلیمی کام انجام دیے۔ احمد مختار صاحب نے ڈربن میں دار الیتامٰی والمساکین، اخوان الصفا اور لڑکیوں کا مدرسہ بنات المسلمین قائم کیا۔ یہ تینوں اب تک چل رہے ہیں[214]۔ مختار صاحب نے ۱۹۱۰ء میں 'الاسلام' اخبار گجراتی زبان میں ڈربن سے شائع کیا، جس کے متعلّق ان کے حقیقی بھائی مولانا نذیر احمد صاحب خجندی نے اپنے اشعار (مخدومِ خجندی ص ۱۱) میں فرمایا ہے:

اسی صورت سے ڈربن میں کیا تعلیم کا چرچا
خصوصاً عورتوں کے خوش نُما انجام کی خاطر
جب اس نکتے کو سمجھا، لے کے 'الاسلام' ہاتھوں میں
بتایا رازِ اہلِ دیں کو سب اور یہ مہم سر کی"[215]

---

213 "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر"، سببِ تالیف، ص ۵۶ تا ۵۷۔

214 یہ تحریر اپریل ۱۹۷۸ء کی ہے۔ (ندیم)

215 "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر"، سببِ تالیف، ص ۴۱ تا ۴۲۔

حضرت احمد مختار صدّیقی کا وِصال اور ایک کرامت:

بروز پیر، بعدِ مغرب، ۱۲ (بارہ) جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ (دس) جولائی ۱۹۳۸ء کو حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی رضی اللہ عنہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔[216] آپ کا انتقال دَمَّن (پرتگیز)، انڈیا میں ہوا تھا اور دمّن ہی میں ایک مسجد سے متّصل اِحاطے میں آپ کی قبر مبارک ہے، جہاں جمیلِ ملّت علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی مدّ ظلّہ العالی نے ۱۹۶۱ء میں حاضری دی اور اُس مسجد میں خطابات بھی فرمائے۔ اس مسجد کے حوالے سے حضرت جمیلِ ملّت نے وہاں کے لوگوں کی بیان کردہ ایک کرامت حضرتِ احمد مختار بتائی کہ اس مسجد میں جِنّات کا بسیرا تھا؛ کوئی شخص وہاں رات نہیں گزار سکتا تھا؛ جنات اسے تنگ کرتے تھے، یہاں تک کہ مسجد سے باہر بھگا دیتے تھے یا اُٹھا کر باہر پھینک دیتے تھے؛ لیکن حضرت احمد مختار صدّیقی صاحب نے وہاں رات گزاری۔

2۔ مولانا محمد بشیر صدّیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا محمد بشیر صدّیقی کے متعلّق جناب نور احمد میرٹھی رقم طراز ہیں:

"مولانا عبد الحکیم کا خاندان علم و ادب کے ذوق سے مالا مال تھا۔ اُنھیں کے گھر ۱۳/ جمادی الثانی ۱۳۰۰ھ میں ایک بچے نے آنکھ کھولی، جس کا نام محمد بشیر رکھا گیا۔ محبوب و مقبول شاعر مولانا اسماعیل میرٹھی سے بشیر صدّیقی صاحب نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، جو اُن کے چچا بھی تھے۔ تعلیم مکمّل کرنے کے بعد درس و تدریس کے شعبے میں آ گئے اور کئی سال قومی مدرسے میں معلّم رہے۔ ۱۹۱۰ء میں اُن کے بھائی مولانا احمد مختار صدّیقی جنوبی افریقہ اپنے ساتھ لے گئے، جہاں وہ قیام پزیر تھے۔ یہاں بشیر صدّیقی صاحب نے علمی، ادبی و مذہبی سر گرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا؛ کئی دینی درس گاہیں قائم کیں، جہاں

---

216 "تذکرہ شعراءِ حجاز"، ص ۳۸۷۔

ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ شاعری کا ذوق انھیں فطری طور پر ودیعت ہوا تھا۔ ان کے خاندان کے بیش تر افراد شاعر تھے اور مقبول و مشہور بھی۔ اپنے جذبات کے اظہار کے لیے شاعری کو وسیلہ بنانے کا فیصلہ کر کے اپنے بھائی مختار صدّیقی سے اصلاح لینے لگے۔ جنوبی افریقہ کے مختلف شہروں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور پسند کیے جاتے تھے۔ آپ نے تبلیغِ اسلام، ادبی، علمی، ملّی اور سماجی خدمات میں عمرِ عزیز کا بیش تر حصّہ گزار کر ڈربن (افریقہ) میں ۱۹۶۷ء میں انتقال فرمایا۔ نمونۂ کلام:

زبان و چشم گوش اپنے کرو گے بند تم جس دم
بصیرت تب دکھا دے گی کہ وہ ہی نور افشاں ہے
کہاں تو اور کہاں یہ معرفت کا بحر بے پایاں
جو طے کرتا ہے صدّیقیؔ یہ بس اُن کا ہی فیضاں ہے

ظاہری آنکھوں سے دیکھو تو نظر آتا ہے
اس کی قدرت کے سوا کچھ بھی نظر آتا نہیں
آفتاب و ماہ، ورق و شعلہ سب میں ہی وہی
کون سی شے ہے کہ جس کو نور چمکاتا نہیں

نظارہ ہے مشتاق تو بے تاب نگاہیں
اِک جلوۂ دل افروز ذرا اپنا دکھا دے

ماخذ: جنوبی افریقہ کے اردو شاعر، ص ۲۳۵؛ تذکرہ شعرائے اترپردیش، چھٹی جلد، ص ۶۶ تا ۶۸۔"[217]

217 "تذکرہ شعرائے میرٹھ"، ص ۳۰۵ تا ۳۰۶۔

جناب امداد صابری صابری لکھتے ہیں:

"مولانا محمد بشیر صدّیقی اپنا کلام مولانا مختار احمد صدّیقی کو دکھاتے تھے۔ آپ کے دو تخلّص بشیرؔ و صدّیقیؔ تھے۔"[218]

تحریکِ خلافت میں مولانا محمد بشیر صدّیقی کا حصّہ:

۴/ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے اس فقیر سے ارشاد فرمایا:

"تحریکِ خلافت میں میرے ایک اور تایا مولانا محمد بشیر صدّیقی نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔"

مولانا محمد بشیر کی اولاد:

۲۲/ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے اس فقیر کو بتایا کہ مولانا محمد بشیر صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیٹیاں: سیّدہ انصاری اور منیرہ خاتون تھیں اور دو بیٹوں کے نام: روحانی میاں اور حقّانی میاں بھی بتائے اور بتایا کہ حقّانی میاں ریڈیو پر کوئی پروگرام کرتے ہیں۔ "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر" (صفحہ ۲۴۳) اور "تذکرۂ شعرائے میرٹھ" میں مولانا بشیر احمد صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے کا نام: "مولانا محمد زکریا صدّیقی" اور تخلّص "صفی" مرقوم ہے اور ان کتابوں میں سیّدہ انصاری کا بھی ذکر ہے۔

3۔ مولانا محمد صدّیق صدّیقی میرٹھی:

مولانا محمد صدّیق صدّیقی میرٹھی بھی ایک اچھے شاعر تھے؛ ڈاکٹر فریدہ احمد

218 "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر"، ص ۲۳۸۔

صدّیقی صاحبہ سے فون پر حاصل شدہ معلومات کے مطابق پانی پت میں آپ کا انتقال ہوا اور پانی پت ہی میں آپ کی تدفین بھی ہوئی اور آپ کے دو فرزند: (۱) مصداق صدّیقی (۲) اخلاص احمد صدّیقی تھے۔ ”تذکرۂ شعرائے میرٹھ“ کے مطابق اخلاص احمد صدّیقی کے فرزند جناب پروفیسر اسحاق اطہر صدّیقی سینٹ پیٹرکس کالج، کراچی میں ستائیس سال تک (۱۹۶۶ء تا ۱۹۹۳ء) تدریسی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

4۔ مولانا خلیل الرحمٰن صدّیقی میرٹھی:

مولانا خلیل الرحمٰن صدّیقی صاحب بھی ایک اچھے نعت گو شاعر تھے؛ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ سے فون پر حاصل شدہ معلومات کے مطابق میرٹھ میں آپ کا انتقال ہوا اور میرٹھ ہی میں آپ کی قبر مبارک ہے۔

معروف ماہرِ تعلیم اور ادیب جناب پروفیسر مولانا حبیب الرحمٰن صدّیقی آپ (خلیل الرحمٰن) ہی کے صاحبزادے تھے اور ”تذکرۂ شعرائے میرٹھ“ کے مطابق، معروف شاعر جناب ذکاء الرحمٰن صدّیقی، حبیب الرحمٰن صاحب کے فرزند تھے۔[219]

”تذکرہ شعراءِ حجاز“ میں مولانا خجندؔی سے متعلّق معلومات کا ماخذ:

جناب امداد صابری صاحب (چوڑی دالان، دہلی) نے، بروز جمعہ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو، اپنی تصنیف ”تذکرہ شعراءِ حجاز“ کے اختتام پر، ”حرفِ آخر“ کے عنوان سے کتاب میں موجود مواد کے حصول سے متعلّق کچھ تفصیل بیان کی ہے، جس میں مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلّق حاصل کردہ معلومات کا ذکر اِن الفاظ میں کیا ہے:

”مجھ کو معلوم ہوا کہ جناب خالد منیجر آزاد کتاب گھر اردو بازار دہلی کا

219 ”تذکرۂ شعرائے میرٹھ“، صفحہ ۴۸۲۔

تعلّق مولانا خجندؔی صاحب کے خاندان سے ہے؛ میں نے اُن سے مولانا خجندؔی صاحب کے حالات معلوم کیے، تو اُنھوں نے بتایا کہ میرے ایک بزرگ جناب حبیب الرحمٰن صاحب صدّیقی میرٹھی، جو مولانا خجندؔی کے بھتیجے ہیں، عن قریب دہلی آنے والے ہیں؛ وہ جب دہلی آئیں گے، تو میں آپ کو اُن سے ملواؤں گا؛ وہ آپ کو اُن کے حالات بتا دیں گے۔ چنانچہ ۱۵/ ستمبر ۱۹۶۹ء کو میں جب خالد صاحب کی دُکان پر شام کے وقت پہنچا، تو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے میرے دریافت کرنے پر مولانا خجندؔی کے تعلیم پانے، برما جانے، اخبار 'تاجر' جاری کرنے، اُن کے خوش الحان قاری ہونے، سیرت النبی (ﷺ) پر جامع و مؤثّر تقریر کرنے، بمبئی میں بزموں کی تشکیل کرنے اور آریہ سماجیوں سے مناظرہ کرنے کے بارے میں بتایا اور وعدہ کیا اگر مجھ کو اور کچھ باتیں یاد آ گئیں، تو میں آپ کو اُن سے مطلع کر دوں گا۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کافی ضعیف ہو گئے ہیں؛ تقریباً پچھتّر برس کی عمر ہے؛ یاد داشت اور حافظہ بہت کم زور ہو گیا ہے۔“[220]

5۔ جناب حمید الدین صدّیقی میرٹھی:

حمید الدین صدّیقی صاحب بھی ایک اچھے نعت گو شاعر تھے؛ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ سے فون پر حاصل شدہ معلومات کے مطابق میرٹھ میں آپ کا انتقال ہوا، میرٹھ ہی میں آپ کا مدفن بھی ہے اور آپ کے دو بیٹوں کے نام: بچّن میاں اور پیارے میاں اور تین بیٹیوں کے نام: مقبول بیگم، عظمت بیگم اور عشرت بیگم ہیں۔

220 ”تذکرہ شعراءِ حجاز“، صفحہ ۴۰۹۔

6۔ مبلغِ اعظم علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی مدنی:

سفیرِ پاکستان، سیاحِ عالم، مبلغِ اعظم حضرت علامہ مولانا حکیم قاری سیّدنا شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی میرٹھی مدنی رضی اللہ عنہ ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ مطابق ۳؍ اپریل ۱۸۹۳ء[221] کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ محمد احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے آپ شاگرد و خلیفہ اور حضرت قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رضی اللہ عنہ کے والدِ ماجد و پیر و مرشد تھے۔ آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو کر اُن تینوں سلسلوں میں بھی خلافت و اجازت پائی، جن کی اجازت و خلافت حضرت احمد مختار کو اپنے والدِ ماجد سے تھی اور پھر اپنے فرزندِ ارجمند امام شاہ احمد نورانی صدّیقی کو بھی حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی نے شرفِ بیعت عطا کر کے اجازت و خلافت سے نوازا۔ اس کے علاوہ قطب المشائخ حضرت سیّد شاہ محمد علی حسین جیلانی اشرفی المعروف بہ ''اشرفی میاں'' رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی کو سعادتِ اجازت و شرفِ خلافت حاصل ہے۔ بانیِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح نے آپ کو سفیرِ پاکستان بنا کر عرب ممالک بھیجا تھا۔

حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی ایک بڑے عمدہ نعت گو شاعر بھی تھے؛ ''علیم'' تخلّص کرتے تھے۔ حمدِ ربّ العالمین و نعتِ رحمۃ للعالمین (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں آپ نے ایک منقبت کہی اور

[221] عام طور پر حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ''۱۸۹۲ء'' لکھا جاتا ہے، جو غلط ہے۔ آن لائن کلینڈر اور تاریخی شواہد کے مطابق، ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو ۱۸۹۳ء تھا اور یہی درست ہے۔ (ندیم)

اعلیٰ حضرت کو پڑھ کر سنائی، جو بہت مشہور ہوئی۔ اس کا مطلع ہدیۂ قارئین ہے:

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اُس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو[222]

''ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت'' کا آغاز مبلّغِ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی ہی کے سوال سے ہوتا ہے اور ''فتاویٰ رضویہ'' میں بھی آپ کے چند استفتا موجود ہیں۔ ''حُسَامُ الْحَرَمَیْنِ عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَ الْمَیْنِ (۱۳۲۴ھ)'' پر آپ نے ایک تصدیق بھی رقم فرمائی ہے، جو ''اَلصَّوَارِمُ الْھِنْدِیَّۃ'' میں شامل ہے۔

مبلغِ اعظم شاہ عبد العلیم صدّیقی کی تبلیغی و صحافتی خدمات:

حضرت شاہ عبد العلیم رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ مبلّغِ اسلام اور مبلّغِ اعظم کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ جناب امداد صابری صاحب جنوبی افریقہ میں حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا عبد العلیم صدّیقی صاحب نے بھی کافی وقت جنوبی افریقہ میں تبلیغِ اسلام کے لیے دیا۔ آپ نے 'رمضان' رسالہ ڈربن سے جاری کیا (دی رورنگ آف پیس، ص ۲۴)؛ اور 'مسلم ڈائجسٹ'، جو ڈربن سے شائع ہوا، اس کے بانی آپ ہی تھے۔''[223]

مبلغِ اعظم نے ایک لاکھ سے زائد افراد کو مسلمان کیا:

سیّدی و مرشدی قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علّامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ نے

[222] ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''، جلدِ اوّل، رضا اکیڈمی، بمبئی، ص ۱۷۶۔

[223] ''جنوبی افریقہ کے اردو شاعر''، صفحہ ۴۲۔

اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی رضی اللہ عنہ کے ۴۶ر ویں عرسِ مبارک کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں، تقریباً ایک لاکھ سے زائد عیسائیوں کو، ملحدوں کو، ہندوؤں کو، کافروں کو مسلمان کیا۔“[224]

جامع مسجد بمبئی میں مبلغِ اعظم کو خراجِ تحسین:

(ماہ نامہ ”شاہ راہ“، بمبئی کی ایک رپورٹ):

”حضرت مولانا عبد العلیم صدّیقی کی ذاتِ بابرکات نہ صرف ہندوستان، بلکہ ممالکِ غیر اور بالخصوص عالمِ اسلامی میں ایک ایسی مشہور و معروف ذات ہے، جس کے تعارف کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ وہ سال ہا سال سے ممالکِ بیرونِ ہند میں سرگرمی اور مستعدی سے تبلیغِ اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حال ہی میں وہ چین و جاپان کے سفر سے واپس آئے ہیں اور ۲۴ر جنوری (۱۹۳۷ء) کی صبح کو بمبئی میں تشریف لا کر (جمعرات) ۲۸ر کی شام کو اپنے اہل و عیال اور کثیر التعداد احباب کی جماعت کے ساتھ زیارتِ حرمین شریفین زَادَھُمَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّ تَعْظِیْمًا کے ذوق و شوق میں اسلامی جہاز سے روانہ ہو گئے۔

اِس موقع کو غنیمت سمجھ کر اراکینِ جمعیت العلماء صوبۂ بمبئی اور اراکینِ تبلیغ الاسلام بمبئی نے متّحدہ طور پر یہ مناسب سمجھا کہ تبلیغی سفر کے سلسلے میں ایک طرف مولانا کی خدمت میں تبریک و تہنیت پیش کی جائے، اور دوسری جانب مولانا کی تقریرِ دل پزیر اور

---

224 مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی: ”مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی کانفرنس“ سے خطاب، بمقام: مِل والا اپارٹمنٹ، رنچھوڑ لائن، کراچی، مؤرّخہ ۲۱ر مئی ۱۹۹۹ء، بعد نمازِ عشا۔

الحمد للہ! اس کانفرنس میں یہ فقیر (ندیم احمد ندیم نورانی) بھی شریک ہو کر فیض یاب ہوا تھا۔

چین اور جاپان کے اسلامی حالات سے مسلمانانِ بمبئی کو مستفید و مستفیض بنایا جائے۔

اِس منشا سے ایک اجلاسِ عام ۲۷ر جنوری ۱۹۳۷ء چہار شنبہ کو بعد از نمازِ عشا جامع مسجد شہر بمبئی میں منعقد کیا گیا۔ حضرت مولانا حکیم فضلِ رحیم صاحب دہلوی صدرِ مستقل جمعیت علمائے صوبۂ بمبئی نے فرائضِ صدارت انجام دیے۔ حافظ برکت اللہ صاحب نے تلاوتِ کلام اللہ شریف سے جلسے کا افتتاح فرمایا۔

خطیب العلما مولانا نذیر احمد خجندؔی نے مقاصدِ جلسہ اور شہر کی موجودہ فضا پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریکِ صدارت پیش کی۔ سیٹھ محمد زکریا صاحب منیار نے تائید فرمائی۔ صدرِ محترم نے ایک جامع اور مختصر تقریر کے ذریعے مہمانِ مقتدر کی تبلیغی خدمات کو سراہا اور تبریک و خیر مقدم کا فرض ادا کیا۔ مولانا حکیم شمس الاسلام صاحب دہلوی ناظمِ مالیات جمعیت علماءِ صوبۂ بمبئی نے ایک دل چسپ تقریر کے ساتھ سفر بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے یہ استدعا کی کہ دربارِ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں پہنچ کر مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ پیش کیا جائے اور اُن کے اصلاحِ اَحوال کے لیے دعائے خیر۔ اِس کے بعد آپ نے ایک مطبوعہ تہنیت نامہ پیش کیا، جس کی تفصیل آئندہ اشاعت میں دی جائے گی۔

صدرِ محترم نے ایک سنہرا ہار معزّز مہمان کی خدمت میں پیش کیا۔ سیٹھ محمد زکریا صاحب نے حضرت صدر کو زرّیں ہار پہنایا، اور مسٹر محمد صالح اُزاسا و مسٹر عبد العزیز نو مسلم جاپانیوں کو جنابِ صدر نے ہار پہنائے۔

مہمانِ محترم نے تہنیت نامے کا جواب دیتے ہوئے ایک ولولہ انگیز تقریر کے ذریعے تبلیغ الاسلام کی ضرورت پر درد انگیز الفاظ میں روشنی ڈالی؛ مسلمانانِ چین کے مذہبی حالات پر کافی معلومات کا ذخیرہ پیش کیا؛ شمال چین اور جنوبی چین کی کیفیات کو جداگانہ ظاہر فرمایا۔ جاپان کی عام مذہبی حالت، جاپان میں ۱۹۰۸ء سے آج تک تبلیغِ

اسلام کے لیے لوگوں کا آنا جانا، جاپان میں تبلیغ کا اثر، جاپان میں تبلیغ کی ضرورت؛ ان سب مضامین پر بہت واضح طور پر روشنی ڈالی۔ مہمانِ محترم کی اس تقریر کا خلاصہ اسی اشاعت میں یا آئندہ اشاعت میں پیش کیا جاسکے گا، کیوں کہ وہ مختصر بھی جگہ نہ ہونے کے سبب کافی طویل ہو گا۔

مہمانِ محترم نے آخر میں جمعیت علما اور انجمن تبلیغِ اسلام کے اراکین کا شکریہ ادا کیا اور دعائے خیر پر اپنی تقریر کو ختم کیا۔

مولانا نذیر احمد خجندیؔ نے مہمانِ محترم اور صدرِ محتشم اور حاضرینِ ذی کرم کا شکریہ بانیانِ جلسہ کی طرف سے پیش کیا، اور تقریباً ایک بجے نہایت سکون اور دل چسپی کے ساتھ یہ اجلاسِ عام اختتام پزیر ہوا، اور مطبوعہ تہنیت نامہ حاضرین میں تقسیم کیا۔"[225]

جامع مسجد بمبئی میں مولانا خجندیؔ وغیرہ کی طرف سے مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی کو تہنیت نامہ:

اب ہم ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئی سے وہ تہنیت نامہ نقل کر رہے ہیں، جس کا ذکر "شاہ راہ" کی مندرجۂ بالا رپورٹ میں کیا گیا ہے:

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تہنیت و تبریک

بعالی خدمت مبشّرِ اسلام، مقبولِ انام، فاضلِ علومِ شرقیہ و غربیہ، کاملِ فنونِ عقلیہ و نقلیہ، تقدّس مآب حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم صاحب صدّیقی قادری رئیسِ میرٹھ شہر اَدَامَ اللّٰہُ فُیُوۡضَہٗ ۔

[225] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ، ص ۱ تا ۲۔

حَمۡدًا لِّمَوۡلَی الۡحَمۡدِ وَ الۡاِنۡعَامِ   وَ عَلَی النَّبِیِّ مُصَلِّیًا بِالسَّلَامِ
یَا حَبَّذَا فِیۡ هٰذِهِ الۡاَیَّامِ   هَبَّتۡ نَسِیۡمُ صَبَا هُبُوۡبِ وَّامِ

حضرتِ محترم ذوالمجد والکرم!

الحمدللہ و المنۃ! آج ہم کو دوبارہ یہ موقع میسّر آیا کہ ہم تبلیغ الاسلام کی خدمات انجام دینے کے سلسلے میں دلی مبارک باد پیش کریں۔

اِس دورِ انحطاط میں جہاں مسلمانوں کی عام حالت رو بہ تنزّل نظر آتی ہے، وہیں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حقیقی زعماءِ ملّت اور رہ نمایانِ قوم کے تفحص و تجسّس میں ہر سمت قحط الرجال معلوم ہوتا ہے۔ قرونِ اُولیٰ میں جو ذوقِ تبلیغ الاسلام اور شوقِ تبشیرِ دینِ حنیف ہر مسلمان کے رگ وپے میں پایا جاتا تھا، آج عوام کا تو ذکر کیا، خواص میں بھی اس کا اثر نمایاں نہیں معلوم ہوتا۔ اخص الخواص میں گنے چنے انفاس نظر آئیں گے، جن کے دلوں میں حقیقی دردِ اسلام موجود ہے اور وہ صحیح معنیٰ میں اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی وسعت و توفیق کے مطابق تبلیغِ دینِ متیں میں مصروف و منہمک ہیں۔

برادرِ اعزّ و محترم! اِس میں شک نہیں کہ آپ نے اس میدان میں قدم بڑھا کر اپنی ہمّت کے جو جوہر دکھائے وہ عند اللہ و عند الرّسول (جَلَّ جَلَالُہٗ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ) مقبول ہیں اور عند الناس محبوب و مرغوب۔ منعمِ حقیقی آپ کو اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

اس سے پہلے شرقِ افریقہ، جزائرِ شرقیہ افریقہ سیلون اور مورشس وغیرہ کے علاقے میں آپ نے جو خدماتِ تبلیغ بہ احسن وجوہ انجام دیں، وہ روشن تر ہیں۔

سالِ گزشتہ جنوبی افریقہ اور شرقی افریقہ کے باقی ماندہ جزائر میں اس خدمتِ دینِ حق کی کامیابی کا سہرا حاصل کرنے کے بعد چین اور جاپان کے مختلف علاقوں میں سالِ متّصلہ میں، باوجود دشمنانِ حق کی بیش از بیش مخالفتوں اور قدم قدم پر رکاوٹوں

کے، آپ کی بے نظیر کامیابی حاصل کرنا قدرت نے آپ ہی کے لیے ودیعت کیا تھا اور یہ کامیابی تاریخِ اسلام کے صفحات پر زرّیں حرفوں سے تحریر میں آئے گی۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

جمعیت علماء صوبۂ بمبئی اُن روابطِ خصوصی کی بنا پر جو آں جناب کو اِس جمعیت سے حاصل ہے کہ ایک طرف اس کے بانیین میں آپ کا شمار، دوسری جانب عرصۂ مدید تک بہ حیثیت عہدہ دار اس جمعیت کی کام یابیوں کے ذمّے دار آں جناب ہی رہے۔ یہ جمعیت آپ کی کام یابیوں کو خود اپنی کام یابی سمجھتی ہے۔ نیز انجمن تبلیغ الاسلام بمبئی، جس کے مقاصدِ خاصّہ آپ کی زندگی کا نصب العین اور ان مقاصد میں اس کی کام یابی آپ جیسے بزرگ کی رہبری ورہ نمائی کی رہینِ منّت۔

نظر بر آں جمعیت علما صوبۂ بمبئی وانجمن تبلیغ الاسلام کا اوّلین و بہترین وخوش گوار ترین فرض ہے کہ صمیمِ قلب سے آپ کی کام یابیوں پر ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کرے۔

لٰہذا ارکینِ جمعیت علماءِ صوبۂ بمبئی وانجمن تبلیغ الاسلام، نیز مسلمانانِ بمبئی کے اس جلسۂ عام کی طرف سے آپ کی جذباتِ ایمانیہ سے لب ریز خدماتِ دینِ مطہر کی مجاہدانہ تکمیل پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

اور دست بہ دعا ہیں کہ ربِّ کریم آپ کو صحت و تن درستی کے ساتھ مزید خدماتِ دینی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثمّ آمین بحُرْمَةِ طٰهٰ وَيٰسٓ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وأصحابہٖ اجمعین۔

ہم ہیں ارکینِ جمعیتِ علماءِ صوبۂ بمبئی وانجمن تبلیغ الاسلام بمبئی"[226]

---

[226] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، محرم الحرام ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۱۷۔

مولانا عبد العلیم صدّیقی کا حج وزیارت سے واپسی پر مولانا خجندؔی کے ہاں قیام:

مدیرِ "شاہ راہ"، بمبئی، لکھتے ہیں:

"ہمارے پیر و مرشد، عالمِ عُلومِ شرقیہ و غربیہ، ماہرِ فنونِ عقلیہ و نقلیہ حضرت علامہ مبلّغِ اسلام مولانا حکیم قاری محمد عبد العلیم صاحب صدّیقی متوطّن میرٹھ مُدَّ ظِلُّهُ الْاَقْدَس، جو اِمسال معہ اہل و عیال بغرضِ ادائے حج وزیارتِ روضۂ نبیِّ اکرم ﷺ عازمِ حجاز ہوئے تھے، عرصے تک مدینۂ طیّبہ میں قیام فرمانے کے بعد علوی جہاز سے، جو ۱۰/ جون ۳۷ء[227] کو جدّے سے چلے گا۔ تشریف لانے والے ہیں؛ ساحلِ بمبئی پر اُتریں گے۔ حضرت خطیب العلما مولانا نذیر احمد صاحب خجندؔی کے پاس چند روز قیام فرمائیں گے، اور پھر میرٹھ شہر اپنے وطنِ مالوف تشریف لے جائیں گے۔

(محمد فصیح الزّماں، مدیرِ شاہ راہ)"[228]

مبلغِ اعظم شاہ عبد العلیم صدّیقی اور امام شاہ احمد نورانی کو استاذ الشعرا جناب راؔغب مراد آبادی کا خراجِ عقیدت:

راقم الحروف (ندیم احمد ندیؔم نورانی) کو اپنے دادا پیر و مرشد حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی کی شان میں منقبت لکھنے کا شرف حاصل ہوا، جسے ۳/ اپریل ۲۰۰۹ء کو اپنے استادِ محترم استاذ الشعرا جناب سیّد اصغر حسین معروف بہ راؔغب مراد آبادی صاحب (متوفّٰی ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء) کی خدمت میں، بہ غرضِ اصلاح، لے کر حاضر ہوا، تو منقبت ملاحظہ فرما کر خوشی سے مسکرائے اور بڑے عقیدت بھرے انداز میں حسبِ

---

[227] یعنی ۱۹۳۷ء۔ (ندیم)

[228] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، اندرونی سرورق۔

ذیل کلمات ارشاد فرمائے:

”مجھے، الحمد للہ! حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ بڑے پڑھے لکھے آدمی تھے؛ آپ نے بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ میں جب افریقہ گیا تھا، تو میں نے وہاں بھی اُن کا بڑا کام دیکھا۔ ۱۹۴۷ء میں، ہندوستان سے ہجرت کر کے میں جس جہاز کے ذریعے پاکستان آیا تھا، اُس جہاز میں آپ (شاہ عبد العلیم صدّیقی) بھی جلوہ افروز تھے اور ڈاکٹر عبادت بریلوی بھی سوار تھے۔“

یہ فرما کر میری منقبت کے نیچے، پہلے تو یہ شعر فی البدیہہ رقم فرمایا: ؎

ندیم احمد کی یہ نظمِ مرصّع تو ہے نورانی
ندیم احمد پہ راغؔب بے بہا ہے فضلِ ربّانی

اور پھر ازخود اِس شعر کے ساتھ ہی درجِ ذیل رباعی فی البدیہہ تحریر فرمائی، جس میں حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مذکورۂ بالا سفر ہجرت کا بیان ہے: ؎

لایا مجھے طیّارۂ بی او اے سی
دہلی سے کراچی ہی تھی پرواز اُس کی
حاصل ہو کبھی پھر بھی سعادت ایسی
میری ہے تمنّا یہی، ربّی ربّی!

۲۴؍ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو میری درخواست پر راغب صاحب نے مندرجۂ ذیل دو قطعات لکھ کر عطا فرمائے، جن میں سے پہلا تو حضرت علّامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی شان میں تھا اور دوسرا قطعہ آپ کے فرزندِ ارجمند قائدِ ملّتِ اسلامیہ

مبلغِ اسلام حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلّق ہے: ؎

شاہ عبد العلیم صدّیقی قابلِ قدر شخصیت اُن کی
عالمِ باعمل، فدائے رسول قابلِ رشک شخصیت اُن کی

شاہ احمد نورانی تھے، صدّیقی تھے
ارفع و اعلیٰ ان کا ہے بے شبہ مقام
میں بھی ہوں اُن کا اک مدّاحِ خاک نشیں
میں بھی اُن کا خادم ہوں اے ربِّ انام

تاریخی مادّۂ وصال:

عزیزم مولانا ناصر خان چشتی (فاضل دار العلوم نعیمیہ، کراچی) نے اپنے ایک مضمون میں جناب راغؔب صاحب کی ایک مندرجۂ ذیل رُباعی شامل کی ہے، جس کے آخری مصرع سے حضرت قائدِ ملّتِ اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی کا سالِ وصال ”۲۰۰۳ء“ برآمد ہوتا ہے:

نورانی حق ہیں کی سیاست دانی
تھی دین سے پیوستہ بصد آسانی
اللہ کی رحمت کے سزاوار ہیں وہ
زاہد، لابہ، غیور تھے نورانی

ناصر صاحب نے ہمارے استفسار پر بتایا کہ راغؔب صاحب کی یہ تاریخی رباعی

حضرت قائدِ ملّتِ اسلامیہ کے وصال (دسمبر ۲۰۰۳ء) کے موقع پر، روزنامہ جنگ، کراچی میں شایع ہوئی تھی۔

وصالِ شاہ عبد العلیم صدّیقی:

علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی علیہ الرحمہ کا وصال مدینۂ منوّرہ میں ۲۲ (۲۳ ویں شب) ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۲/ اگست ۱۹۵۴ء کو ہوا۔ آپ کی تدفین آپ کے بڑے بھائی مولانا نذیر احمد خجندؔی کی قبرِ مبارک کے قریب تقریباً پانچ سات گز کے فاصلے پر، اور امّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں جنّت البقیع (مدینۂ منوّرہ) میں کی گئی۔

مبلغِ اعظم شاہ عبد العلیم کی اولاد:

مبلّغِ اعظم حضرت شاہ عبد العلیم صدّیقی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چار بیٹوں اور تین بیٹیوں کے نام پیدائشی ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں:

اَمَت السبّوح عرف سُبحیہ بیگم (متوفّٰی: ۳/ جمادی الآخرۃ ۱۴۲۱ھ / ۲/ ستمبر ۲۰۰۰ء)، مولانا محمد جیلانی صدّیقی، قائدِ ملتِ اسلامیہ حضرت علامہ امام شاہ احمد نورانی صدّیقی (متوفّٰی: جمعرات، ۱۶/ شوّال ۱۴۲۴ھ / ۱۱/ دسمبر ۲۰۰۳ء، دوپہر بارہ بج کر بیس منٹ)، حامد ربّانی صدّیقی، ڈاکٹر عزیزہ اقبال (متوفّٰی: بدھ، ۸/ ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ / یکم فروری ۲۰۱۲ء)، ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی (متوفّٰی: بدھ، ۲۸/ ویں شب، رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ / ۷/ اگست ۲۰۱۳ء، تقریباً ڈیڑھ بجے) اور حمّاد سبحانی صدّیقی، جن میں سے جناب حامد ربّانی اور جناب حمّاد سبحانی صاحبان الحمد للہ ابھی بہ قیدِ حیات ہیں۔

◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈ ◈

سترھواں باب:

مولانا خجندؔی کی اولاد

مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے متعلّق ایک سوال کے جواب میں قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خجندؔی کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔[229]

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے، ۴/ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، اس فقیر کو مولانا نذیر احمد خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی دو صاحبزادیوں: متینہ بیگم اور مُعینہ بیگم کے نام بتائے ہیں۔

ماہ نامہ "شاہ راہ" بمبئ میں محترمہ متینہ بیگم کا نام اس طرح ملتا ہے:

"رئیس خاتون متیؔنہ"۔[230]

محترمہ رئیس خاتون متیؔنہ ایک مقررہ اور شاعرہ تھیں، متیؔنہ تخلص کرتی تھیں۔ یہاں اُن کی تقریر اور دو کلام ہدیۂ قارئین کیے جارہے ہیں۔

"ربیع الاوّل" متیؔنہ بنتِ خجندؔی کا ایک خطاب (تقریر):

آئندہ سطور میں، ہم ماہ نامہ "شاہ راہ" سے محترمہ رئیس خاتون متیؔنہ بنتِ مولانا نذیر احمد خجندؔی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) کا ایک خطاب (تقریر) مضمون کی

---

[229] مولانا نورانی سے ایک انٹرویو، ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء، ویڈیو کیسٹ۔

[230] ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئ ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۱۳۔

صورت میں ”ربیع الاوّل“ کے عنوان سے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ یہ خطاب حضرت متیؔنہ نے ۵/جون ۱۹۳۶ء / ۱۳۵۵ھ کو عیدِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجلاسِ عام میں، بمقام سرکاؤس جی جہانگیر ہال، کیا:

”صدرِ محترم اور خواتین!

میں نے آج اپنی تقریر کے لیے جو عنوان پسند کیا ہے وہ ہے: ’ربیع الاوّل‘۔

ہمارے اسلامی مہینوں میں سے یہ بھی ایک مہینے کا نام ہے اور اس مہینے کی سب سے بڑی فضیلت و بزرگی یہ ہے کہ

(۱) اس میں ہمارے پیارے نبیؐ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پیدا ہوئے۔

(۲) اسی مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم پا کر آپ ﷺ نے اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور دینِ حق پھیلانے کا بیڑا اُٹھایا، یعنی منصبِ نبوّت پر متمکن ہو کر عالم میں سچائی کا ڈنکا بجایا۔

(۳) اسی مقدّس مہینے میں قریش کے ظلم و ستم سے نجات پا کر مدینۂ منوّرہ کی طرف ہجرت فرما کر آپ ﷺ نے ترقّیِ اسلام کے میدان میں مبارک قدم بڑھایا۔

میں مختلف پہلوؤں سے اس مضمون پر روشنی ڈالنی مناسب سمجھتی ہوں تاکہ ربیع الاوّل کی خوبیاں ہمارے ذہن نشیں ہو جائیں۔

سنیے اور غور کیجیے!

(۱) ’ربیع الاوّل‘ اسلامی تاریخ میں اکیلا اور پہلا ہی مہینہ ہے، جس نے اپنے نامِ نامی کے مطابق پوری پوری بزرگی پائی۔ یوں تو ہر دن اور ہر مہینہ اچھا ہے اور مبارک، مگر خاص خاص مہینوں کو ایک ایسی عزّت حاصل ہے کہ نبی ﷺ کے عاشق اور نورِ خدا کے مشتاق اس مبارک مہینے کا چاند دیکھتے ہی نئی جان پاتے اور تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

(۲) ’ربیع‘ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنیٰ ہیں ’بہار‘۔ دنیا نے جس روز سے دن، مہینے، اور سال کی تقسیم پائی ہے، کہنے کو تو: اس مہینے نے، جو بہار کا اوّل یعنی پہلا مہینہ ہے، ہزارہا بہاریں دیکھی ہوں گی اور بہت سی خزاؤں کا مقابلہ کیا ہو گا۔ پھر بھی جس حقیقی اور سچی بہار سے اِس نے دنیا کو پُر بہار بنا دیا اور ایک عالم میں گلزار کھلا دیا، وہ زمانہ تو حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَام سے ساڑھے پانچ سو برس کے بعد نصیب ہوا۔

جس کو عربی شاعروں نے کہا ہے:

’رَبِیْعٌ فِیْ رَبِیْعٍ فِیْ رَبِیْعٍ‘

یعنی بہار کے موسم میں، بہار کے مہینے میں ایک بہار آگئی ہے۔

(۳) تاریخ کے ورق یہ سبق یاد دلاتے ہیں کہ دنیا کی آنکھیں اس تاریکی کو بھی دیکھ چکی ہیں، جب کہ یہودی عُزیر علیہ السلام اور نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے، بزرگوں کے تصوّر کرنے اور صلیب کی شکلیں بنانے میں خدا کو دل سے بُھلا بیٹھے تھے؛ اہلِ کتاب کی یہ حالت تھی، پھر دوسری اقوام کا کیا پوچھنا!

ایران والے آگ کو پوجتے اور سورج سے مدد مانگتے تھے؛ ہندوستان والے پتھر اور لکڑی کی پوجا کرتے، اور جانوروں کے آگے سر جُھکاتے تھے؛ یورپ کے اکثر حصّے علم و تہذیب و تمدّن سے عاری تھے؛ اور اہلِ عرب میں تو بت پرستی کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ تین سو ساٹھ بت خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے، چاند کے حساب سے سال بھر کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اِس اعتبار سے ہر دن کا ایک جدا بُت، پھر ہر خاندان کا ایک نیا بت، اتنا ہی نہیں، بلکہ بت پرستی کی انتہا یہ تھی کہ جب کوئی قضائے حاجت کے لیے جنگل جاتا، استنجا کے واسطے پتھر اُٹھاتا، اس میں جو پتھر، چکنا چپڑا خوب صورت سامل جاتا، اُسی کو بُت بنا لیا جاتا۔ خود مُلکِ عرب میں بت پرستی جاری۔ پھر

ع: چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ع: کہیں آتش پرستی تھی، کہیں معبود پتھر کا

جب دنیا والے تاریکی کے اس گہرے غار میں بے خبر پڑے ہوئے تھے؛ جب اہلِ عالم مستیِ جہالت کے عالم میں ڈوبے ہوئے تھے؛ جب ظلم و ستم، جبر و تعدّی بے کسوں اور بے بسوں کے سروں پر منڈلا رہے تھی؛ جب انسانی شرف، انسانی فضیلت، انسانی بزرگی ملیامیٹ ہو چکی تھی؛ جب خدائے واحد کا نام لینے اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا روئے زمیں پر باقی نہ تھا؛ اُس وقت

(۴) یکا یک غیرتِ ربّانی اور قدرتِ سبحانی حرکت میں آتی ہے، اہلِ عالم کی گم راہی، بربادی اور تباہی پر رحم کھاتی ہے؛ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے پھر وہ موقع آ گیا تھا کہ سچے دل سے ایک ہی خدا کو پوجنے والا اپنی پاکیزہ تعلیم سے اہلِ عالم کو مشرّف فرمائے۔

ماہِ ربیع الاوّل کی ۱۲/ تاریخ ہے، پیر کے دن اور صبحِ صادق کا وقت کہ وہ آفتابِ رسالت طلوع فرماتا ہے، دنیا کی تاریکیوں کو مٹاتا اور سارے جہاں کو روشن کر دکھاتا ہے؛ جو آسمانی کتابوں میں 'احمد' اور زمین کے پردے پر 'محمد' نام پاتا ہے۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اُنھوں نے خدا کے آگے سر جھکایا، خدا نے اُن کا رتبہ بڑھایا، اس 'بہار' نے خزانِ عالم کا نام جڑ سے اُکھاڑ دیا، یعنی اب دنیا کی زندگی کے ساتھ خدا کی یاد کرنے والوں کا وجود لازمی ہو گیا۔ وہی بہار تھی کہ جس نے توحید کا جھنڈا خانۂ کعبہ میں قائم کر کے اوّل عرب سے جہالت کو مٹایا، پھر روم و شام کو غفلت سے جگایا، مصر و یونان کو علم و حکمت کا سبق پڑھایا، چین و ہندوستان کو بت پرستی کی راہ سے ہٹایا۔ المختصر، زمین کے ہر

گوشے میں، دنیا کے ہر کونے میں، عالم کے ہر چپے چپے پر، توحید کا ڈنکا بجایا، ایک ہی حقّانی آواز نے اَللّٰہُ اَکْبَر کے بلند نعروں سے آسمانی گنبد کو گونجا دیا۔

(۵) دنیا میں ہر مذہب و ملّت کے پیرو، ہر راہ و طریقہ کے مقلّد لاکھوں خزانے اور ہزاروں جانیں صرف کر کے بھی پوری کام یابی حاصل نہیں کر سکتے؛ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک یتیم کی آواز سب سے بلند تر جائے اور تمام دنیا میں مقبولیت پائے۔ وہ یتیم جن کے باپ نے شکمِ مادر میں دو مہینے کا چھوڑ کر اپنا مبارک سایہ اُٹھا لیا ہو، ماں بھی چھے سال سے زیادہ پرورش و تربیت نہ کر سکی ہو، دادا کو بھی آٹھ برس کی عمر کا بچّہ تنِ تنہا محض خدا کے بھروسے پر چھوڑنا پڑا ہو، کسی اُستاد نے کبھی ایک حرف بھی نہ پڑھایا ہو؛ کیا کوئی خیال کر سکتا تھا کہ یہ بچّہ دوسرے بچّوں کے بلانے پر بیہودہ کھیل کود سے نفرت کا اظہار کرے گا، جوانی کے ولولوں سے بھی ہمیشہ بچا رہے گا، عرب کے ریگستان اور تیز و تند ہواؤں میں بڑے ہو کر عرب کی انجانی اور جنگجو قوم میں پرورش پا کر آخر کار ایک دن خدائے قدّوس کا فصیح و بلیغ کلام مخلوقِ الٰہی کو سنائے گا، پچھلی امّتوں کو بھولا ہوا سبق پھر یاد دلائے گا، تمام عالم کا اُستادِ کامل بن کر دنیا سے جہالت کا اندھیرا مٹائے گا اور علم و حکمت کا اُجالا پھیلائے گا، دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو بھائی بنائے گا، شاہانِ زمانہ کو اپنی رسالت کی دعوت دے کر دین و دنیا کی فلاح کا بہترین رستہ دکھائے گا۔

(۶) چالیس برس کی عمر میں

قُمْ فَاَنْذِرْ (کھڑے ہو جاؤ اور ڈراؤ) کا حکم سن کر فوراً اُٹھے، مخلوق کو خالق کی طرف بلایا، اُلٹا رستہ چلنے پر عذابِ الٰہی سے ڈرایا، اُن کے مبارک ہاتھ میں وہ زبردست ہتھیار، جس نے بڑے بڑے سرکشوں کا سر جھکا دیا، کیا تھا؟ خدائے تعالیٰ کا دیا ہوا ایک

پاک سچا قرآن، وہ تیز تلوار جس نے بڑے بڑے فصحا اور لسّانوں کی زبان بند کر دی اور مطیعِ فرمان بنا دیا، کون سی چیز تھی؟ آپ کی شیریں زبانی۔

(۷) تیرہ برس مکہ معظّمہ میں رہ کر اسلام کے درخت کی جڑ لگائی، پھر دس برس مدینۂ منوّرہ کا شیریں اور لذیذ پانی پلا پلا کر اُس کو مضبوط اور مستحکم فرما کر تمام عالم کے لیے فیض و فائدہ حاصل کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔

(۸) بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ (یعنی جو کچھ حکمِ الٰہی آپ پر نازل ہوا ہے وہ مخلوق تک پہنچا دیجیے) اس حکمِ الٰہی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اللہ کے محبوب محبّتِ الٰہی کا سبق سکھانے کے لیے؛ مخلوقِ الٰہی کو خدا کے چاہنے کا رستہ بتانے کے لیے؛ محبّتِ الٰہی کے رستے میں ہر مصیبت، ہر بلا، ہر آفت اور ہر تکلیف برداشت کرنے میں استقلال اور ثابت قدمی دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سچے چاہنے والے کی شان سے ہمارے پیارے آقا و مولیٰ میدانِ تبلیغ میں آتے اور اسلام کو پھیلاتے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اُس حبیبِ پروردگار کی تعلیم کا اثر دلوں میں ایسا گہرا گھر کرتا ہے کہ جان جائے تو جائے، لیکن جس نے ایک بار کلمۃ الحق پڑھ لیا ہے وہ نہ کسی بلا سے گھبراتا ہے، نہ کسی مصیبت سے ڈرتا ہے؛ بلکہ جس قدر دشمنوں کے ہاتھوں اس کی جان پر بنتی اور اس کا خون بہتا ہے، اسی قدر زیادہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی محبّت کا دم بھرتا ہے۔

الف۔ صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جاں نثار ہیں کہ اپنے پیارے رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ خانۂ کعبہ میں نماز ادا کرنے کی نیّت سے آتے ہیں، دشمن دیکھ پاتے ہیں، ایذا رسانی کا بیڑا اُٹھاتے ہیں۔ اُس وقت صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سینہ سپر ہو جاتے ہیں، اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی جانِ عزیز کو بچاتے ہیں، خود اپنی جان پر دشمنوں کے حملے برداشت فرماتے ہیں، اس حالت میں نہ صرف یہ

کہ آپ لہو لہان ہو جاتے ہیں، بلکہ دشمن، خدا کے گھر میں حرم شریف کی زمیں پر صدّیقِ اکبر کا سر زخمی کر کے اس قدر خون بہاتے ہیں کہ وہ بالکل بے ہوش ہو کر زمیں پر گر جاتے ہیں۔ آخر اُن کے اعزّا آتے ہیں، اُن کو اُٹھاتے ہیں اور گھر لے جاتے ہی۔

جاں نثاری، فداکاری اور سچی محبّت کی یہ شان دیکھیے کہ صدّیقِ اکبر کامل تین روز کے بعد جس وقت ہوش میں آتے ہیں تو اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی مصیبت کو مصیبت نہ سمجھتے ہوئے آنکھیں کھولتے ہی یہ سوال زبان پر لاتے ہیں کہ مجھے یہ مژدہ سناؤ کہ میرے پیارے آقا محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔

یہ عاشق زار اس سوال پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ ایک طرف اپنی ماں کو بلاتے ہیں، دوسری جانب ایک پڑوسن کو، جو اسلامی بہن ہیں، یاد فرماتے ہیں۔ ضعف کے سبب سے اُٹھنے اور چلنے کی طاقت نہیں تو اپنی ماں اور اسلامی بہن کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی خدمت میں اس طرح جاتے ہیں کہ زمیں پر پورے قدم بھی نہیں ٹیک سکتے، کم زوری کے سبب پاؤں گھسیٹتے چلے جاتے ہیں، آخر حضور کا دیدار دیکھ کر چین پاتے ہیں۔

ب۔ دوسرے عاشق زار اور سچے جاں نثار حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کو تپتے ہوئے ریتے پر بالکل ننگا کر کے اوندھا پیٹ کے بل لٹایا جاتا ہے، تمام جسم کو بھاری بھاری پتھر رکھ کر دبایا جاتا ہے، چاروں طرف لکڑیاں جمع کر کے اُن میں آگ لگائی جاتی ہے، تپتے ہوئے ریتے کی جلن سے[231]، سورج کی کرنوں کی تیز سے تیز دھوپ ہے، پتھروں کا بھاری بوجھ ہے، اور پھر چاروں طرف سے دہکتی ہوئی آگ کی

[231] ماہ نامہ ”شاہ راہ“ میں اس جگہ ”جلن سے“ ہی لکھا ہوا ہے؛ ہمارے خیال میں یہ کتابت کی غلطی ہے۔ دراصل ”جلن سے“ کی بجائے ”جلن ہے“ ہو گا۔ (ندیم)

تپش ہے؛ یہ سب مصیبتیں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جانِ عزیز پر اُمیّہ بن خلف کے ہاتھوں، جس کے وہ زر خرید غلام ہیں، برداشت فرماتے ہیں، لیکن اس مقولے پر عمل ہے کہ:

جان جائے تو جائے دامنِ اسلام ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

غرض، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چاہنے والوں کا میں کہاں تک ذکر کروں! بے شمار ایسی مثالیں ملیں گی کہ آپ کی محبّت میں صحابۂ کبار نے مصیبتیں اُٹھا اُٹھا کر اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا اور آخر دم تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دم بھرتے رہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی سچی محبّت کا یہ ایک جذبہ اور اثر ہے کہ تین سال سے بمبئی جیسے شہر میں مَردوں کے پہلو بہ پہلو خواتین بھی جشنِ میلادِ مبارک صحیح معنیٰ میں عظیم الشان پیمانے پر مناتی ہیں، اپنے خلوص، اپنی محبّت اور اپنی عقیدت کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ عَزَّ اِسْمُہٗ اس کو قبول فرمائے اور پابندی کے ساتھ اس کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔ ماہِ ربیع الاوّل کی سب سے بڑی نعمت یہی ہے۔ آمین!

یہی ماہِ ربیع الاوّل تھا اور پیر کا دن کہ آپ (ﷺ) نے دنیا سے حجاب پسند فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

پیر کا روزہ سنّت ہے، یہ آپ (ﷺ) کی پیدائش، نبوّت اور وفات کا دن ہے۔"[232]

232 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، صفر المظفّر ۱۳۵۶ھ، ص ۷، ۴، ۵؛ نیز، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۱۳ تا ۱۴۔

کلامِ بنتِ خجندیؔ:

مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی محترمہ رئیس خاتون متینہؔ بھی ایک اچھی قلم کار اور شاعرہ تھیں۔ نمونے کے طور پر، یہاں آپ کے دو کلام ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں۔

دل میں قائم رہے ایمان، رسولِ عربی! (ﷺ)
کلام: رئیس خاتون متینہؔ بنتِ خجندیؔ

آپ پر جان ہو قربان، رسولِ عربی!
آپ ہیں سیّدِ ذی شان، رسولِ عربی!
ہجر میں ہوں میں پریشان، رسولِ عربی!
میری مشکل ہو یہ آسان، رسولِ عربی!
دل یہ کہتا ہے مدینے کی ہَوا پھر کھاؤں
پورا ہو جائے یہ ارمان، رسولِ عربی!
آرزو ہے کہ مدینے میں رہوں ساری عمر
بن کے میں آپ کی مہمان، رسولِ عربی!
کب میں اس گنبدِ خضرا پہ جماؤں نظریں
ہر گھڑی رہتا ہے یہ دھیان، رسولِ عربی!
پھر صلاۃ اور سلام آ کے پڑھوں روضے پر
پھر ہو مسرور مِری جان، رسولِ عربی!

مرتبہ آپ کا خلقت کو جتانے کے لیے
حق نے نازل کیا قرآن، رسولِ عربی!
جب مِری روح مِرے جسم سے باہر نکلے
دل میں قائم رہے ایمان، رسولِ عربی
آپ کے دامنِ رحمت کا ہو سایہ مجھ پر
حشر کے دن ہو یہ سامان، رسولِ عربی!
اب متیؔنہ کی تمنّا ہے یہی شام و سحر
پھر بنے آپ کی مہمان، رسولِ عربی![233]

سلامِ متیؔنہ بحضور سرکارِ مدینہ ﷺ

رسولِ پاک شہِ دوسرا سَلَامٌ عَلَيْكَ	امینِ خلق حبیبِ خدا سَلَامٌ عَلَيْكَ
حضور! آپ کا رتبہ ہے انبیا سے بلند	شفیعِ خلق بروزِ جزا سَلَامٌ عَلَيْكَ
جہاں میں آئے ہیں جتنے رسول اور نبی	ہے سب سے آپ کا رتبہ بڑا سَلَامٌ عَلَيْكَ
تمام نبیوں نے ایک ایک معجزہ پایا	ملا ہے آپ کو ہر معجزہ سَلَامٌ عَلَيْكَ
ہر اک نبی میں ہے اِک اِک خصوصیت ظاہر	خصائص آپ کے بے انتہا سَلَامٌ عَلَيْكَ
خدا کے نور سے پیدا ہوا ہے نورِ حضور	چراغِ روشنِ نور الہُدیٰ سَلَامٌ عَلَيْكَ
سکھایا آپ نے توحیدِ کبریا کا سبق	بنایا عاشقِ ربِّ العُلا سَلَامٌ عَلَيْكَ
نکالی وہم پرستی دماغ سے سب کے	بٹھایا سکّۂ حق مرحبا سَلَامٌ عَلَيْكَ

233 ماہ نامہ "شاہ راہ"، صفر المظفّر ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۲۳۔

حضور ہی کی محبّت تو عینِ ایماں ہے	کرم پہ آپ کے میں ہوں فدا سَلَامٌ عَلَيْكَ

متیؔنہ! نعتِ نبی کی بہار دیکھو تم
پڑھو خلوص سے یا مُصطفٰی سَلَامٌ عَلَيْكَ[234]

"حیاتِ خجندؔی" از بنتِ حضرتِ خجندؔی:

مدیرِ ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، رقم طراز ہیں:

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا[235] کی بڑی صاحبزادی[236] نے تہیہ کر لیا ہے کہ 'حیاتِ خجندی' کے نام سے وہ آپ کی ۵۰/ (پچاس) برس کی زندگی کے حالات تفصیلاً کتابی صورت میں اِرقام فرمائیں گی۔ بہت ممکن ہے کہ وہ 'شاہ راہ' میں شائع کرنے کے لیے بھی اِجازت مرحمت فرمائیں۔"[237]

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ "حیاتِ خجندی" کے نام سے مذکورۂ بالا کتاب حسبِ ارادہ تصنیف کی گئی کہ نہیں، اور اگر تصنیف کر لی گئی تھی، تو شایع بھی ہوئی کہ نہیں۔

اے کاش! مذکورۂ بالا کتاب تک ہماری رسائی ممکن ہو یا اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہو سکیں! آمین!

◇◇◇◇◇◇◇

234 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ، ص ۲۱۔

235 نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ۔

236 یہ نہ معلوم ہو سکا کہ بڑی صاحبزادی کون تھیں، رئیس خاتون متیؔنہ یا پھر معینہ بیگم۔ (ندیم)

237 ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ، اداریہ، صفحہ ۱۔

اٹھارھواں باب:

مولانا خجندیؔ کی ایک بھتیجی اور شاگرد سیّدہ انصاری

مولانا نذیر احمد خجندیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شاگرد سیّدہ انصاری جنوبی افریقہ کی شاعرہ تھیں۔ یہ مولانا خجندیؔ کی بھتیجی اور مولانا زکریا صفؔی صاحب کی ہم شیرہ (بہن) بھی تھیں۔ ان کے متعلّق جناب امداد صابری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"سیّدہ انصاری ۱۹۳۴ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئیں۔ چھ سال کی عمر میں ڈربن پہنچیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد مولانا محمد بشیر صدّیقی سے انجمنِ اسلام اسکول میں پائی۔ اس کے بعد گھر پر اردو فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ چوں کہ اُن کی مادری زبان اُردو تھی اور شاعروں کے خاندان میں آنکھیں کھولی تھیں، تو بچپن ہی سے ان کے اپنے والد سے شعروں میں گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آئیں، تو اپنے چچا مولانا نذیر احمد خجندیؔ صاحب سے اپنے اَشعار کی اِصلاح لی۔ جنوبی افریقہ واپس پہنچنے کے بعد اُن سے خط و کتابت کے ذریعے اصلاح لیتی رہیں۔ ۱۹۵۲ء میں اپنے عمِّ محترم مولانا عبدالحلیم[238] صدّیقی سے چھ ماہ فُیوض حاصل کیے۔ عربک اسٹڈی سرکل کے سالانہ اُردو کے مقابلے میں ہر سال اوّل درجے کا انعام پایا۔ بچّوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے اپنا ذاتی مدرسہ کھولا۔ جنوبی افریقہ میں اُردو سیکھنے کا ذوق بڑھتا جارہا ہے، اس لیے لوگوں کی فرمائش پر عورتوں کو اُردو پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا۔ سیّدہ صاحبہ کو مطالعے کا بے حد

[238] "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر" میں اِس جگہ "عبد الحلیم" لکھا ہوا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ درست نام "عبد العلیم" ہے۔ (ندیم)

شوق ہے۔ مولانا احمد رضا صاحب اور علّامہ اقبال کا کلام ان کو پسند ہے۔ سلجھے ہوئے شعر کہتی ہیں۔"[239]

سیّدہ انصاری کا ایک کلام:

امداد صابری صاحب نے سیّدہ انصاری صاحبہ کے کچھ کلام "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر" (صفحات ۲۱۰ تا ۲۱۵) میں، بہ طورِ نمونہ، نقل فرمائے ہیں؛ یہاں اُن میں سے ایک، ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے:

لائے ایماں دیدہ ور شکلِ پیمبر دیکھ کر
حق نما آئینۂ روئے منوّر دیکھ کر
آنکھیں روشن ہو گئیں وہ بدرِ انور دیکھ کر
جان میں جان آگئی رحمت کے تیور دیکھ کر
دل چمک اٹھا جمالِ ربِّ اکبر دیکھ کر
بدرِ روشن جس طرح خورشیدِ خاور دیکھ کر
منکروں نے لاکھ روکا جبہہ سائی سے مجھے
خود بہ خود سر جھک گیا محبوب کا در دیکھ کر
شافعِ محشر کہیں گے رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ
اپنی اُمّت کو پریشاں روزِ محشر دیکھ کر
کاش لطفِ خاص کی ہو جائے مجھ پر اک نظر
میرا حالِ زار اب تو بندہ پرور دیکھ کر
سرفروشی امتحاں گاہِ محبّت کی ہے شرط

[239] "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر"، صفحہ ۲۱۰۔

شوقِ قربانی بڑھا کرتا ہے خنجر دیکھ کر
باریابِ بارگاہِ عرشِ رفعت جو ہوئے
رشک آتا ہے ہمیں اُن کا مقدّر دیکھ کر
سیّدؔہ کی آرزو: صَلِّ عَلٰی هٰذَا النَّبِیّ
ہو صدا یہ قبۂ اطہر کا منظر دیکھ کر[240]

◈◈◈◈◈◈◈

اختتامِ کتاب:

اِسی پر، یہ فقیر (ندیم نورانی) اپنی اِس کتاب کا اختتام کرتا ہے، اور، بہ اعتبارِ تصنیف و اِشاعتِ اوّل، اس کا تاریخی نام:

"جب جب تذکرۂ خجندؔی ہُوا" (2014ء)

رکھتا ہے۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہے کہ وہ حضرت علامہ نذیر احمد خجندی نَوَّرَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَرْقَدَہٗ کی خدماتِ جلیلہ کو قبول کرتے ہوئے آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے؛ آپ سمیت میرے سلسلۂ طریقت کے تمام بزرگوں کی قبورِ پُر انوار پر تا قیامِ قیامت رحمتوں کی بارش برسائے؛ اعلیٰ علّیین و جنّت الفردوس میں بلندیِ درجات سے نوازے؛ آپ سمیت تمام بزرگانِ دین کے روحانی فُیوض سے ہمیں خوب مستفیض و فیض یاب کرے؛ اپنی رضا کے ساتھ، اس تحریر کو شرفِ قبول عطا فرماتے ہوئے، اسے میری

240 "جنوبی افریقہ کے اردو شاعر"، صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۱۔

اور میرے والدین، اہل و عیال، بہن بھائیوں، اعزّا و اقربا اور احباب کی مغفرت کا ذریعہ بنائے اور اس تحریر کو مقبولِ عام بناتے ہوئے، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے استفادے کی توفیقِ رفیق بخشے!

آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و اھل بیتہٖ و بارك وسلم و الحمد للہ رب العالمین۔

دعا گو و دعا جو

ندیم احمد ندؔیم نورانی

رہائش: B-296، نزد جامع مسجد نظامیہ، ناظم آباد نمبر 1، کراچی۔
پیر، ۲۳ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ / ۱۷ر نومبر ۲۰۱۴ء۔
خط و کتابت: ندیم احمد ندؔیم نورانی،
معرفت کاشف جنرل اسٹور، کوآرٹر نمبر 2/14،
نزد مجاہد پیٹرول پمپ، ناظم آباد نمبر 1، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: [74600]
موبائل: 0347-2096956
Email: nadeem.nooraani@gmail.com

◈◈◈◈◈◈◈

کتابیات (Bibliography)

کتب:

1۔ اللہ تبارک وتعالیٰ، خالقِ کائنات ومعبودِ حقیقی: "القرآن الحکیم"۔

2۔ محمد احمد رضاخاں قادری فاضلِ بریلوی، اعلیٰ حضرت امام:
"کَنْزُ الْاِیْمَان فِیْ تَرْجَمَةِ الْقُرْاٰن (۱۳۳۰ھ)" (اردو ترجمۂ قرآنِ حکیم)۔

3۔ ولی الدّین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، شیخ: "مِشْکٰوةُ الْمَصَابِیْح" (عربی)، مکتبۃ الحرمین الشریفین، کانسی روڈ، نزد مسجدِ نور، کوئٹہ۔

4۔ احمد یار خاں نعیمی بدایونی ثم گجراتی، حکیم الامّت علامہ مفتی: "مِرْاٰةُ الْمَنَاجِیْح" اردو ترجمہ وشرح "مِشْکٰوةُ الْمَصَابِیْح"، جلد ہشتم (۸)، ضیاء القرآن، لاہور، س ن۔

5۔ محمد احمد رضاخاں قادری فاضلِ بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: "اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّة فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّة" المعروف بہ "فتاویٰ رضویہ" قدیم، جلد۶، رضا اکیڈمی ممبئی؛ مکتبہ رضویہ، کراچی؛ رضا اکیڈمی، بمبئی۔

6۔ ایضاً، جدید، جلد ۱۴، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، جمادی الاُخریٰ ۱۴۱۹ھ / ستمبر ۱۹۹۸ء۔

7۔ محمد احمد رضاخاں قادری فاضلِ بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادْ (۱۳۳۷ھ)"، مطبعِ اہلِ سنّت وجماعت، بریلی؛ مکتبۂ برکات المدینہ، کراچی، شعبان المعظّم ۱۴۳۲ھ مطابق جولائی ۲۰۱۱ء۔

8۔ ایضاً: "ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت" مسمّٰی بہ اسمِ تاریخی "الملفوظ (۱۳۳۸ھ)"، مرتبہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضاخاں نوری بریلوی، حصّۂ اوّل، متعدد دستیاب نسخے۔

9۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی، مفتیِ اعظم علامہ مولانا شاہ: "کشفِ ضلالِ دیوبند (۱۳۳۷ھ)" شرح "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادْ (۱۳۳۷ھ)"، مطبعِ اہلِ سنّت وجماعت، بریلی؛ مکتبۂ برکات المدینہ، کراچی، شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ مطابق جولائی ۲۰۱۱ء۔

10۔ محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلما مولانا مفتی سیّد: "حیاتِ اعلیٰ حضرت"، رضا اکیڈمی، بمبئی (ممبئی)، انڈیا، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء۔

11۔ حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی، شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا مفتی ابو الفتح: "اَلصَّوَارِمُ الْهِنْدِیَّة"، مجلسِ اتحادِ اسلامی، کراچی، طباعتِ دوم، س ن؛ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، طباعتِ سوم: ۲۵/ صفر المظفّر ۱۴۳۲ھ / جنوری ۲۰۱۱ء۔

12۔ حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی، مولانا ابو الفتح: "ستّر با ادب سوالاتِ دینیۂ ایمانیہ" (یہ تاریخی نام ہے، جمعرات، ۴/ ذیقعد ۱۳۶۴ھ کو یہ ستّر سوالات لکھے گئے)، مطبعِ آوازِ وطن پریس، کانپور، س ن۔

13۔ فریدہ احمد صدّیقی، ڈاکٹر: "تذکرہ خانوادۂ علیمیہ"، مشمولۂ مجلّہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، خواتین اسلامی مشن پاکستان، گلشنِ اقبال، کراچی، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء۔

14۔ سلیمان قادری چشتی پھلواروی، مولانا شاہ محمد: "شمس المعارف"، مکاتیب، مرتّبۂ مولانا شاہ غلام حسنین قادری چشتی سلیمانی پھلواروی و مولانا شاہ محمد جعفر ندوی پھلواروی، مرکزِ علومِ اسلامیہ، ۵/ گارڈن، کراچی، ۱۹۶۹ء۔

15۔ محمد جلال الدین قادری، مفسرِ قران علامہ: "تاریخِ آل انڈیا سنّی کانفرنس (۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء)"، سعید برادران، کھاریاں گجرات، رجب المرجّب ۱۴۲۰ھ / اکتوبر ۱۹۹۹ء۔

16۔ محمود احمد قادری کان پوری، علامہ: "تذکرہ علماءِ اہلِ سنّت"، سنّی دار الاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ، فیصل آباد، بارِ دوم: ۱۹۹۲ء۔

17 مولانا شاہ محمود احمد قادری: "حیاتِ مخدومِ اولیاء محبوبِ ربّانی"، سرکارِ کلاں فاؤنڈیشن، مکان نمبر 655، داتا نگر، گلی نمبر 13، سیکٹر 8، ظہیر الدین بابر روڈ، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء۔

18۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری، شرفِ ملّت علامہ: "تذکرہ اکابرِ اہلِ سنّت (پاکستان)"، شبیر برادرز پبلشرز، لاہور، بارِ دوم: ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء۔

19- محمد ابراہیم قادری رضوی، علامہ مفتی (سکھر): "علماءِ حق کی آبرو"، مشمولہ سہ ماہی آگہی، سکھر (مفتیِ اعظم نمبر)، رمضان المبارک تا ذیقعد، ۱۴۲۹ھ۔

20- صابر حسین شاہ بخاری، مولانا سیّد: "قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک"، بزمِ رضویہ رجسٹرڈ، لاہور، ۱۶/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ / ۲۵/ دسمبر ۱۹۹۹ء۔

21- محمد اسلم سیفی: "حیاتِ اسماعیل (مع کلیاتِ اسماعیل)"، مرتّبہ و مدوّنہ: محمد اقبال رانا، برائٹ بکس، لاہور، ۲۰۰۳ء۔

22- ضیاءالدین احمد برنی بی اے: "عظمتِ رفتہ"، تعلیمی مرکز، ۵۰۱۔۔۔ لکھراج روڈ، کراچی نمبر 1، ۳۰/ جولائی ۱۹۶۱ء۔ اشاعتِ نو: ادارۂ علم و فن، B-108، الفلاح ملیر ہالٹ، کراچی، ۲۰۰۰ء۔

23- امداد صابری: "تذکرہ شعراءِ حجاز اردو"، مکتبۂ شاہراہ، اردو بازار، دہلی، اگست ۱۹۶۹ء۔

24- ایضاً: "جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر"، مطبوعۂ نعمانی پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۷۸ء۔

25- نسیم احمد صدیقی نوری، علّامہ مولانا: "ضیائے شعبان المعظّم"، انجمن ضیاءِ طیبہ، کراچی، اشاعت: بارِ دوم: شعبان / ستمبر ۲۰۰۵ء۔

26- عطاء اللہ نعیمی، مفتی: "تقدیم و تحشیہ بر تخلیقِ پاکستان میں علماءِ اہلِ سنّت کا کردار" (ماہ نامہ بقیع، کراچی، سلسۂ اشاعت نمبر ۱۶۰)، جمعیت اشاعتِ اہلِ سنّت، پاکستان، کراچی، اگست ۲۰۰۷ء / رجب المرجّب ۱۴۲۸ھ۔

27- محمد امین نورانی، مولانا: "عہدِ رواں کی ایک عبقری شخصیت"، بزمِ انوار القرآن، جامعہ انوار القرآن، گلشنِ اقبال، بلاک 5، کراچی، فروری ۲۰۰۴ء۔

28- نور احمد میرٹھی (مرحوم): "تذکرہ شعرائے میرٹھ"، ادارۂ فکرِ نو، ۳۵ بی، ۱۱/ ۸/ ۷، کورنگی، کراچی، ۲۰۰۳ء۔

29- ولی مظہر بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ: "عظیم قائد — عظیم تحریک"، شعبۂ نشر و اشاعت شہری مسلم لیگ، ملتان، س ن۔

30- رئیس احمد جعفری: "قائدِ اعظم اور اُن کا عہد"، مقبول اکیڈمی، ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور، س ن۔

31- رضی حیدر، خواجہ: "تذکرہ محدّث سورتی"، بارِ اوّل: سورتی اکیڈمی، ۲/ ڈی۔ ۵/ ۱۶، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۱ء؛ بارِ دوم: رضا اکیڈمی، ممبئی، اپریل ۲۰۱۲ء۔

32- رضی حیدر، خواجہ: "رتّی جناح (قائدِ اعظم کی رفیقۂ حیات)"، ویلکم بک پورٹ (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۵ء۔

33- Razi Haider, Khwaja: "Ruttie Jinnah", Oxford University Press, Karachi, 2010AD.

34- عقیل عباس جعفری: "قائدِ اعظم کی ازدواجی زندگی"، گورا پبلشرز، ۲۵/ لوئر مال، لاہور، ۱۹۹۵ء؛ ورثہ پبلی کیشنز، 1/94، اسٹریٹ نمبر 26، فیز 6، ڈی ایچ اے، کراچی، اکتوبر 2010ء۔

35- مقبول الرحمٰن کشمیری، مولانا محمد (فاضل دار العلوم نعیمیہ، کراچی): "آئینِ جواں مرداں"، مطبوعۂ گوشۂ نور، کراچی، شوّال المکرم ۱۴۳۴ھ / ستمبر ۲۰۱۳ء۔

36- ظفر علی خاں، مولوی: "خمستانِ حجاز"، مطبوعۂ مولانا ظفر علی خاں ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، 10-A-1، حسین اسٹریٹ، مسلم ٹاؤن، لاہور، فروری ۲۰۱۰ء۔

37- عبد القدّوس ہاشمی: "تقویمِ تاریخی (قاموسِ تاریخی)"، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم: ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء۔

رسائل و جرائد:

38تا46- (الف) پندرہ روزہ اخبار "الفقیہ" امرتسر (انڈیا):

۵/ اپریل ۱۹۱۹ء / ۳/ رجب المرجّب ۱۳۳۷ھ؛ جمعۃ المبارک، ۵/ ستمبر ۱۹۱۹ء / ۹/ ذی الحجّہ ۱۳۳۷ھ؛ اتوار، ۲۰/ جنوری ۱۹۲۴ء / ۱۲/ جمادی الثّانی ۱۳۴۲ھ۔

(ب) ہفتہ وار اخبار "الفقیہ"، امرتسر (انڈیا):

اتوار، ۷؍جون ۱۹۲۵ء / ۱۴؍ذی قعد ۱۳۴۳ھ؛ منگل، ۲۸؍جولائی ۱۹۲۵ء / ۶؍محرم الحرام ۱۳۴۴ھ؛ پیر، ۷؍ستمبر ۱۹۲۵ء / ۱۴؍صفر ۱۳۴۴ھ؛ پیر، ۱۴؍ستمبر ۱۹۲۵ء / ۲۱؍صفر المظفّر ۱۳۴۴ھ؛ ہفتہ، ۲۸؍نومبر ۱۹۲۵ء، ۱۱؍جمادی الاوّل ۱۳۴۴ھ؛ جمعۃ المبارک، ۲۸؍جنوری ۱۹۲۷ء / ۲۳؍رجب المرجّب ۱۳۴۵ھ۔

47تا51۔ ماہ نامہ "شاہ راہ"، بمبئی، ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ؛ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ؛ صفر المظفّر ۱۳۵۶ھ؛ ربیع الاوّل ۱۳۵۶ھ؛ ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ۔

52۔ ماہ نامہ "معارفِ رضا"، کراچی، دسمبر ۲۰۱۰ء۔

53تا54۔ ماہ نامہ "مصلح الدین"، کراچی، (مصلح الدین نمبر)، جمادی الاُخریٰ ۱۴۲۸ھ / جولائی ۲۰۰۷ء؛ نیز رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ / اگست ۲۰۱۰ء۔

55تا56۔ ماہ نامہ "جامِ نور"، دہلی (انڈیا)، اکتوبر ۲۰۱۲ء؛ نیز، جنوری ۲۰۱۳ء۔

خطبات (تقاریر) / انٹرویوز / ملاقاتیں / فون:

57۔ عبدالعلیم صدّیقی میرٹھی مدنی، مبلغِ اعظم علامہ شاہ محمد: "صوت الحق" (خطبۂ صدارت)، موتمرِ جمعیت علمائے پاکستان، کراچی، منعقدہ ۲۱ تا ۲۲ ذیقعد ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۵؍ تا ۲۶؍اگست ۱۹۵۱ء، بمقام آرام باغ، کراچی، مطبوعہ مکتبۂ علیمیہ، کراچی، شعبان المعظّم ۱۴۳۵ھ / جون ۲۰۱۴ء۔

58۔ شاہ احمد نورانی صدّیقی، قائدِ ملّتِ اسلامیہ مبلغِ اسلام مولانا: "مولانا شاہ عبدالعلیم صدّیقی کانفرنس" سے خطاب، بمقام: مِل والا اپارٹمنٹ، رنچھوڑ لائن، کراچی، ۲۱؍مئی ۱۹۹۹ء، بعدِ نمازِ عشا۔

59۔ حامد ربّانی صدّیقی عرف ربّانی میاں ابن حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی رحمۃ اللہ علیہ)، نذرِ فرید جناب حضرت: عرسِ علیمی سے خطاب، بمقام: کچھی میمن مسجد، صدر، کراچی، ہفتہ (اتوار کی شب)، ۱۹؍نومبر ۲۰۱۱ء مطابق ۲۲؍ذی الحجہ (تیئیسویں شب) ۱۴۳۲ھ، بعدِ عشا۔

50 تا61۔ محمد ابراہیم قادری رضوی (سکھر، سندھ)، مولانا مفتی: عرسِ نورانی سے خطاب، بمقام: جامع مسجد امامِ اعظم ابو حنیفہ، گلشنِ اقبال، کراچی، دسمبر ۲۰۰۶ء؛ نیز، نویں عرسِ نورانی سے خطاب، بیت الرضوان، کلفٹن، کراچی، شوّال المکرم ۱۴۳۳ھ۔

62۔ تراب الحق قادری، علّامہ سیّد شاہ: "تخلیقِ پاکستان میں علماءِ اہلِ سنّت کا کردار"، ۱۳؍اگست ۱۹۹۱ء کو کھارادر، کراچی میں ایک جلسۂ عام سے خطاب، مطبوعۂ جمعیت اشاعتِ اہلِ سنّت، پاکستان، کراچی، اگست ۲۰۰۷ء / رجب المرجّب ۱۴۲۸ھ۔

63۔ مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ویڈیو کیسٹ، والیم نمبر 57، پیر، ۲۱؍اکتوبر ۱۹۹۶ء مطابق ۷؍جمادی الآخرۃ ۱۴۱۷ھ۔

64۔ جمیل احمد نعیمی ضیائی، جمیلِ ملّت علامہ: ملاقات، دار العلوم نعیمیہ، ایف بی ایریا، بلاک ۱۵، کراچی، اتوار، ۳۰؍شعبان المعظّم ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۹؍جون ۲۰۱۴ء۔

65۔ فریدہ احمد صدّیقی، مبلّغہ اسلام محترمہ ڈاکٹر (اور اُن کے شوہر محترم پروفیسر محمد احمد صدّیقی): ملاقات، خواتین اسلامی مشن۔ پاکستان، بلاک 5، گلشن اقبال، کراچی، جمعۃ المبارک، ۱۲؍جمادی الآخرہ، ۱۴۳۳ھ مطابق ۴؍مئی ۲۰۱۲ء (نیز ۲۲؍مئی ۲۰۱۲ء)۔

66۔ فریدہ احمد صدّیقی، محترمہ ڈاکٹر: فون پر گفتگو، ۵؍دسمبر ۲۰۱۱ء؛ نیز اتوار، ۱۴؍جمادی الآخرہ، ۱۴۳۳ھ مطابق ۶؍مئی ۲۰۱۲ء؛ نیز ۱۷؍مئی ۲۰۱۲ء۔

67۔ راغبؔ مرادآبادی، استاذی استاذ الشعرا جناب سیّد اصغر حسین (مرحوم): ملاقات، راغب صاحب کا گھر، عقب یوسف پلازہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۳؍اپریل، ۲۰۰۹ء؛ نیز، ۲۴؍اکتوبر ۲۰۰۹ء۔

68۔ رضی حیدر، جناب خواجہ: ملاقات، سر سیّد یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی، منگل ۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۵؍مارچ ۲۰۱۴ء؛ نیز، فون پر گفتگو، رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۴ء۔

69- ظہور الدین خاں امر تسری، جناب (ادارۂِ پاکستان شناسی، لاہور): ملاقات، دفتر، انجمن ضیاءِ طیبہ، کراچی، پیر، ۱۲؍ شوّال المکرّم ۱۴۳۵ھ مطابق ۸؍ ستمبر ۲۰۱۴ء۔

گُل ہائے عقیدت

بحضور خطیب العلما حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خجندؔی رحمۃ اللہ علیہ

کلام: ندیم احمد ندؔیم نورانی

مِرا دل کیوں نہ ہو شیدا نذیر احمد خجندی کا
تھا سب کچھ گنبدِ خضرا نذیر احمد خجندی کا

گُلِ صدّیقِ اکبر تھے، بہارِ صدق و تقویٰ تھے
وفا داری بھی تھا شیوہ نذیر احمد خجندی کا

امام احمد رضا خاں کے فتاوٰی ''اَلْعَطَایَا'' میں
ہے موجود ایک اِستفتا نذیر احمد خجندی کا

وہی عبد العلیم اسلام کا اعظم مبلغ تھا
برادر تھا جو مولانا نذیر احمد خجندی کا

جھکایا قادیانیّت کا سر جس نے جہاں بھر میں
وہ نورانی، بھتیجا تھا نذیر احمد خجندی کا

جنابِ قائدِ اعظم بھی کرتے تھے عقیدت سے
بڑا اکرام علّامہ نذیر احمد خجندی کا

قبول اسلام رتّی نے کیا جس ہاتھ پر جا کر
وہ دستِ ذی ہدایت تھا نذیر احمد خجندی کا

ادیبِ صاحبِ طرز و سخن ور، زود گو شاعر
تھا نظم و نثر میں شہرہ نذیر احمد خجندی کا

سیاسی اور ملّی خدمتیں بھی اُن کی ہیں روشن
صحافت میں بھی تھا حصّہ نذیر احمد خجندی کا

مدینے میں انھیں مدفن مِلا، یارب! ہمارا بھی
نصیب ایسا ہو، تھا جیسا نذیر احمد خجندی کا

ندؔیم! اِنْ شَآءَ رَبِّیْ مجھ کو دنیا یاد رکھے گی
کہ جب جب تذکرہ ہو گا نذیر احمد خجندی کا